منگنی

ایک ہنگامی رومانی اور سماجی ناول

رمیش چندر جین

ایشیا پبلشرز ۵ بہار گولین تیس ہزاری دہلی ۶

قیمت .. .. چھ روپے پچاس پیسے

کتابت .. .. لعل محمد خاں بستوی

طباعت .. ..

سول ایجنٹ

شمع بک ڈپو نئی دہلی

ناشر

کملا چوپڑہ

یونین پرنٹنگ پریس دہلی

انتساب

میں اپنی یہ حقیر بھینٹ اپنے والدین کے نام معنون کرتا ہوں جنہوں نے مجھے جنم دیا۔ تعلیم دلوائی اور پروان چڑھایا۔

رمیش چند جین

چند باتیں

میرا پہلا ناول "لاجونتی" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس کے متعلق کچھ تعریفی خطوط بھی موصول ہوئے۔ ناول کو بامقصد اور دلچسپ قرار دیا گیا۔ زیرِ نظر ناول بھی کسی مقصد کو لیکر ہی لکھا گیا ہے میرا دعویٰ ہے کہ یہ ناول جہاں آپ کیلئے سامانِ تفریح مہیا کریگا وہاں آپ اپنے دل میں ایک ٹیس۔ درد اور کسک سی محسوس کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ناول آپ کو خون کے آنسو رلائے۔ ڈاکٹر لوگ ہمارے سماج کا ایک ضروری جز ہیں اس ناول میں انکے فرائض کی مکمل طور سے عکاسی کی گئی ہے آپ لوگوں کو یاد دلایا گیا ہے کہ موجودہ ہنگامی حالات میں آپ پر کیا کیا فرائض عائد ہوتے

ہیں۔ ڈپٹی کمشنر "ہریش" کی نادر اور انوکھی قربانی کو آپ تا زیست فراموش نہیں کر سکتے

رینا اور روی کی جوان محبت آپ کے دلوں میں گھر کر جائیگی۔ آپ کو ایک ایسی

دنیا میں لے جائیگی جہاں دھڑکنیں جوان ہونگی۔ جذبے جوان ہونگے اور

تاثرات جوان ہونگے۔ پیار ہی پیار ہر سو آپ کو نظر آئیگا۔ پیار ہی پیار ہر سو

آپ محسوس کریں گے۔ پیار کا موسم ہوگا۔ پیار کی ہوائیں ہوں گی اور پیار

کی فضائیں ہوں گی۔ اندر لی کسمپرسی کی حالت آپ کو آنسو بہانے پر مجبور

کردیگی۔ اُمیدیں اور شستمائیں آپ کو ایک دوسرے کی محبت میں کھوئے

ہوئے ملیں گے۔ اس ناول میں آپ کی ملاقات اشمبر سے بھی ہوگی جو

ایک پھلتے پھولتے اور خوشحال خاندان کے ہاتھ دھوکر پیچھے پڑگیا۔ یہ

ناول کچھ گھنٹوں کے لئے آپ کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیگا

قصہ کوتاہ میں نے سماج کے رستے ہوئے ناسوروں کیلئے ایک

اور مرہم ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ کہاں تک یہ ناسور مندمل

ہوسکیں گے یہ تو وقت ہی بتلا سکیگا۔ آپ ناول کو پڑھئے اور

مجھے اپنی رائے سے مطلع فرمائیے۔

رمیش چند

پہلا باب

"ارے بیٹا اندر۔ یہ تم منہ لٹکائے کیوں بیٹھے ہو؟ نہیں کیا ہوا ہے؟ ارے تم تو رو رہے ہو! رو رو کر ساری آنکھیں سجا لیں میں بھئی ایسی بھی کیا انھونی بات ہو گئی؟ ہم بھی تو سنیں" چودھری نگیندر موہن نے اپنے بیٹے اندر موہن سے پوچھا۔

"پتا جی۔ میں فیل ہو گیا" اندر موہن نے روتے روتے جواب دیا۔

"ارے تو پھر کونسی قیامت آگئی۔ کونسے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ میں تو سمجھا تھا کہ نہ جانے تیرا کون مر گیا۔ جو تو اس قدر غمگین اور اداس ہے۔ ایک صرف دسویں جماعت کی ناکامیابی کو ہی تو نے اتنا محسوس کیا ہے تو پھر آگے چل کر بیٹا نہ جانے تیرا کیا حال ہوگا۔ بھگوان ہی مالک ہے۔ چل اٹھ۔ ہاتھ منہ دھو لے اور کچھ ناشتہ کر لے۔ میں جانتا ہوں پگلے نے اب تک کچھ بھی نہ کھایا ہوگا۔ بیٹا اپنے پاس کس چیز کی کمی ہے جو تو اس قدر منہ بسور رہا ہے خیر سے تیرے باپ کا ہر طرف اور ہر جگہ بول بالا ہے۔ اب تو یہ پڑھائی وڑھائی کا

چکّر چھوڑ دے ۔ یہ تیرے بس کا روگ نہیں ہے۔ میں نے تجھے پہلے بھی سمجھایا تھا مگر تو تھا کہ بس اپنی ہی دھن میں چلا جا رہا تھا۔ پہلے تو بیٹا ماسٹروں سے کچھ کھلوا کر تجھے پاس بھی کروا دیا کرتا تھا۔ مگر اب یونیورسٹی کے امتحان میں تو اپنی چلنے سے رہی۔ خیر اب بھول جا ان باتوں کو۔

" تیرے پتا جی ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں بیٹا۔ تجھے کیا غرض پڑی ہے کہ اس موئی پڑھائی لکھائی کے پیچھے ایسا سر کھپائے۔ اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال اپنے ذمّے لے لے۔ اور بس، ہمیں تجھ سے کچھ نہیں چاہئے"۔ چودھری نگیندر کی بیوی شریمتی ساوتری دیوی جو پاس ہی کھڑی یہ تمام باتیں سن رہی تھی جھٹ بول اٹھی۔

اور اندر کو تو مانو کونین کی دولت ہاتھ آ گئی۔ اس کے دل کی مراد بر آئی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ دنیا میں وہ کٹھن سے کٹھن کام کرنے کو تیار ہے مگر یہ پڑھنا لکھنا اس کی قوت سے باہر ہے۔ اپنے والدین کی باتیں سن کر وہ مسکرا دیا اور جھٹ سے اندر کی طرف لپکا۔

چودھری نگیندر موہن نے وہیں کھڑے کھڑے بیوی سے کہا۔

" ساوتری۔ اب ہمیں اندر کی شادی جلد ہی کر دینی چاہئے ۔ چودھری لکھمی سنگھ بھی جلدی کر رہے ہیں۔ منگنی ہوئے دو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ اگر اسے اپنا تعلیم جاری رکھنا ہوتی تو دوسری بات تھی"۔

" جیسے آپ ٹھیک اور اچت سمجھیں۔ ویسے بھی اندر اب سولہ سال کا ہو گیا ہے۔ اس کی مسیں بھی بھیگ رہی ہیں۔

ساوتری دیوی نے تائیداً کہا۔

"مجھے تمہاری بات سن کر تو اپنا زمانہ یاد آگیا۔ میں تو سولہ سال کی عمر میں ایک بچے کا باپ بھی بن گیا تھا۔ ویسے یہ میں سب کچھ مانونگا کہ ایسا ہونے میں تمہارا بھی بڑا ہاتھ تھا" چودھری صاف بیوی سے ایک ہلکا پھلکا مذاق کر بیٹھے۔

"چلئے ہٹیئے۔ بوڑھے ہونے کو آئے اور ابھی تک آپ کے یہ چھچھلے نہیں گئے"۔ ساوتری دیوی شرما گئی۔

"کیا کہہ رہی ہو ساوتری۔ جب تک تمہارا دیدار نصیب ہوتا رہے گا۔ بڑھاپا میرے پاس تک بھی نہیں پھٹک سکتا۔ ذرا ایمان سے کہنا ہوں یا نہیں جوان" چودھری صاحب نے بیوی کا ہاتھ ذرا زور سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"ارے آپ تو میرا ہاتھ توڑ ہی ڈالیں گے۔ اب چھوڑیئے بھی۔ لو بابا میں جان گئی کہ آپ جوان ہی نہیں بلکہ نوجوان ہیں"۔

"نہیں تم ایسے نہیں مانو گی" اور اتنا کہہ کر چودھری صاحب پھر بیوی کی طرف لپکے۔ مگر وہ کنّی کاٹ کر قہقہے لگاتی ہوئی اندر چلی گئی اور چودھری صاحب اپنے کھیتوں کی طرف۔

چودھری نگیندر موہن کی زندگی قہقہوں، شادمانیوں اور مسرتوں سے ہی عبارت تھی۔ خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ وہ دو سو ایکڑ نہری اراضی کے واحد اور بلاشرکت غیرے مالک وقابض تھے۔ جو ضلع روہتک (ہریانہ پرانت) کے ایک مشہور ومعروف موضع میں واقع تھی۔ انھوں نے اپنے کھیتوں کے قرب وجوار میں ایک نہایت عالی شان کوٹھی بنوائی تھی جس کا نقشہ ایک مشہور آرچیٹیکٹ (architect) نے

معقول معاوضہ لے کر تیار کیا تھا۔ یہ کوٹھی جو نگینہ ریسٹ ہاؤس کہلاتی تھی موضع میں ایک ویرانے میں بہار کی سی حیثیت رکھتی تھی۔ دو گیلریوں کے علاوہ اس میں سات وسیع اور کشادہ کمرے تھے۔ باہر ایک پُر فضا لان تھی جس میں انواع و اقسام کے گلہائے رنگا رنگ اپنا بہار دکھا رہے تھے ایک چھوٹا سا سوئمنگ پول (SWIMM ING POOL) بنایا ہوا تھا۔ جس کے صاف اور شفاف پانی کو چاند اور سورج بطور آئینہ استعمال کرتے تھے۔ اور اپنے حسن پر خود ہی فریفتہ ہو کر خوشی سے رقص کرنا شروع کر دیتے تھے۔ چودھری صاحب نئی ایمبیسڈر کار بھی خرید لی تھی اور دو ریفریجریٹر بھی۔ مویشیوں کی اچھی خاصی تعداد بھی ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی۔ اس وقت بھی دو بھینسیں۔ دو گائے۔ دو عربی نسل کے گھوڑے اور دو بیلوں کی جوڑی ان کے طویلے کی شان تھے۔ گھر میں دودھ اور گھی کی نہریاں بہتی تھیں۔ اراضی کی کاشت کے لئے ٹریکٹر اور دیگر قسم کے جدید آلات بروئے کار لاتے تھے جن سے پیداوار کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ کافی روپیہ بنک بیلنس بھی ہو گیا تھا۔ اور ان سب اشیاء کے وہ واحد مالک تھے چونکہ نہ ان کا کوئی بھائی تھا اور نہ بہن۔ مگر خود چار لڑکوں اور تین لڑکیوں کے باپ تھے۔

چودھری صاحب اپنے کھیتوں پر پہنچے جو سارے کے سارے ملحقہ اور ایک ہی چک میں تھے۔ ان سرسبز۔ ہرے بھرے اور لہلہاتے کھیتوں کو دیکھ کر وہ جامے میں پھولے نہ سمائے۔ ان کا رُواں رُواں خوشی سے ناچنے لگا اور ان کو زمین پہ پیر رکھنا مشکل ہو گیا۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے کھیت ہر سال ان کے لئے ہیرے موتی اور سونا۔

اُگلتے ہیں۔ پھر کیوں نہ ان کو دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ کھیتوں پر کام کرنے والے سرونٹس کو کچھ ہدایات دے کر وہ اپنے گھر واپس لوٹ آتے۔

چودھری صاحب کی دو لڑکیاں کملا اور بملا ان کے لڑکے اِندر سے بڑی تھیں۔ کملا جس کی عمر لگ بھگ ۲۵ سال تھی پانچ سال ہوئے ازدواجی رشتے میں منسلک کر دی گئی تھی۔ اس کی شادی کرم جیت سنگھ نامی ایک نوجوان سے ہوئی تھی۔ جو ڈسٹرکٹ فوڈ سپلائی آفیسر تھا کملا خود بھی میٹرک پاس تھی۔ بملا جو بچاری صرف چار جماعت ہی پاس کر سکی تھی ایک زمیندار کے ناخواندہ بیٹے سے منڈھ دی گئی تھی۔ ان دو لڑکیوں کے بعد اِندر کا نمبر آتا تھا۔ اب میٹرک میں فیل ہو جانے کے بعد اس کی تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا تھا۔ اس سے چھوٹا لڑکا روندر تھا جس کو پیار سے رِدی کہتے تھے اب چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ وہ بلا کا ذہین تھا۔ دور اندیش تھا اور سمجھ داری کی باتیں کہنے اور سننے میں بڑے بڑوں کے کان کترتا ہے۔ بھائی کے فیل ہو جانے کا سب سے زیادہ افسوس اور صدمہ اسی کو ہوا۔ اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اِندر اب آگے نہیں پڑھے گا تو اس کے دل پر بجلی سی گری۔ اس کمسنی میں بھی وہ تعلیم کی خوبیوں اور محاسن سے اچھی طرح واقف تھا۔ اور اس کے مفہوم کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے پتا جی سے بہت بہت کہا۔ کہ اِندر کی تعلیم ضرور جاری رکھیں مگر انھوں نے اُسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا: "تو تو اپنی جماعت میں ہمیشہ اول آتا ہے۔ دیکھیں گے تو کونسا ہمالیہ سر کرتا ہے۔ تیرا جی چاہے جتنا پڑھ لے"

روندر سے چھوٹی سشما نامی ایک لڑکی تھی جو اس وقت پانچویں

جماعت میں لوکل گرلس سکول میں پڑھ رہی تھی، اور سشما سے چھوٹے اس کے دو بھائی اور تھے۔ ہریندر، جو چوتھی جماعت کا طالب علم تھا اور رہندر جو تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ رویندر کی عمر ۱۱ سال۔ ہریندر کی ۹ سال اور رہندر کی ۸ سال کی تھی۔ سشما جو اپنے دو چھوٹے بھائیوں سے بڑی تھی ۱۰ سال کی تھی۔

دوپہر کے کھانے سے فراغت پانے کے بعد چودھری صاحب بیوی سے صلاح مشورہ کر کے چودھری لکھی رام کے پاس شادی کی تاریخ پکی کرنے کے روانہ ہو گئے۔

دوسرا باب

آج نگینہ ربھون کو دلہن کی طرح آراستہ کیا جا رہا تھا۔ کئی خاکروب اس کی صفائی کے لئے جٹے ہوئے تھے۔ دیواروں پر پھر سے قلعی کرائی گئی تھی۔ اور کھڑکیوں اور دروازوں پر رنگ و روغن ہو جانے سے ان میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی تھی۔ لان میں کھڑے نیم کے درخت کو بجلی کے قمقموں سے لاد دیا گیا تھا۔ اور اسی طرح نگینہ ربھون کی دیواروں کے بیرونی حصوں پر بھی بجلی کے بلب قطار در قطار چسپاں کر دیئے گئے تھے۔ باہر لان میں کرسیاں اور میزیں لگا دی گئیں تھیں۔ شام کے قریب چھ بجے تھے سورج نگینہ ربھون کا نظارہ کرنے کے لئے زمین پر اترا ہوا معلوم ہوتا تھا اور پھر اس پر الوداعی نظریں ڈال کر مغرب میں آرام کرنے کے لئے چلا گیا تھا۔ اور اب بجلی کے قمقموں کو اپنی کرامات دکھانے کا موقع مل گیا تھا۔ ان سب نے مل کر نگینہ ربھون کو جگمگا دیا تھا۔ ان کی لال، نیلی، ہری، پیلی

اور دودھیا روشنی کے امتزاج نے ایک سماں باندھ دیا تھا۔ بات یہ تھی کہ چودھری نگیندر موہن نے اپنے بیٹے اندر کی شادی سے ایک روز قبل ایک شاندار ضیافت کا انتظام کیا تھا۔ چودھری صاحب یہ دیکھ کر خوش تھے۔ کہ تمام انتظام ان کی خواہش کے مطابق ٹھیک طرح سے انجام پا گیا ہے۔ یہ ان کے پہلے لڑکے کی شادی تھی۔ اور ویسے بھی انھوں نے بخل سے کام لینا سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ خوب دل کھول کر ہمیشہ خرچ کر رہے تھے ۔ انھوں نے اپنے موضع کے علاوہ اور بھی کئی دیگر گاؤں کے اشخاص کو مدعو کیا تھا۔ معقول اجرت دے کر دہلی کے مشہور و معروف حلوائیوں کو مٹھائیاں، پوریاں۔ کچوریاں، اسپیشل سبزیاں اور دہی بھلے وغیرہ تیار کرنے کے لئے بلایا تھا۔

چودھری رام دیال جو چودھری نگیندر موہن لکھی کی ٹکر کے زمیندار تھے اور ان کے ہی گاؤں سے تعلق رکھتے تھے ان سے کچھ کھنچے کھنچے سے رہتے تھے ۔ چودھری نگیندر موہن کی دلی خواہش تھی کہ چودھری رام دیال بھی اس دعوت میں ضرور شرکت کریں۔ اس لئے وہ صبح بذات خود ان کو مدعو کرنے کے لئے گئے تھے۔ مگر ان کو اطلاع دی گئی تھی کہ چودھری رام دیال کسی دوسرے گاؤں میں کارِ خاص چلے گئے ہیں اور شام کو لوٹیں گے۔ اب وہ پھر ان کے پاس جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے ۔ انھوں نے گاڑی نکلوائی اور چودھری رام دیال کے پاس روانہ ہو گئے ۔ اتفاق سے چودھری رام دیال ان کو اپنی بیٹھک ہی میں مل گئے ۔ چودھری نگیندر موہن کو دیکھ کر نہ تو انھوں نے اپنی جگہ سے ذرا سی بھی جنبش کی اور نہ کوئی استقبالیہ کلمات یا ہنسی ان کے لبوں پہ آئے ۔ وہ جوں کے توں بیٹھے رہے۔ چودھری نگیندر

موہن نے ہی پہل کی اور کہا " چودھری صاحب آج تو آپ کو ہمارے یہاں چلنا ہی پڑے گا۔ آپ کی شمولیت کے بغیر ضیافت کا سارا مزا کرکرا ہو جائے گا اور آپ کی شرکت اس کی رونق کو دوبالا کر دے گی "۔

" چودھری نگیندر موہن صاحب! آپ جان بوجھ کر پاگل بن رہے ہیں۔ کیا آپ اتنی جلدی بھول گئے کہ آپ کے والد نے میری بہن کی عزت لوٹی تھی۔ اور ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ میری بہن بچاری کے لئے ماسوائے خودکشی کر لینے کے کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ اور یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی تمہیں یہ جرأت ہوئی کہ تم میرے گھر چلے آئے۔ میں تم سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ یہاں سے فوراً چلے جاؤ ورنہ کہیں تمہارے رنگ میں بھنگ نہ پڑ جائے "۔

" چودھری صاحب! بزرگوں کے گناہوں کی سزا ان کی اولاد کو دی جائے یہ کہاں کا انصاف ہے۔ آپ میری طرف دیکھئے میں نے تو ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ آپ کے اور ہمارے تعلقات معمول پر آ جائیں۔ اب بھی آپ جس طرح سے چاہیں میں تلافی کرنے کو تیار ہوں "۔

" بس میری اور تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ " چودھری رام دیال نے مکمل روکھے پن کا مظاہرہ کیا۔ اور اب چودھری نگیندر موہن کے لئے کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا اس لئے وہ وہاں سے لوٹ آئے۔

چودھری رام دیال کا اکلوتا لڑکا بشمبر جو گھر کے آنگن میں بیٹھا ہوا تھا اور تمام باتیں سن رہا تھا۔ یہ تمام باتیں سن کر اس کا خون کھول گیا تھا۔ اس کے جی میں آئی تھی کہ فوراً چودھری نگیندر موہن کا گلا گھونٹ دے

مگر کسی نہ کسی طرح اس نے اپنے اوپر قابو پا لیا تھا۔ وہ فوراً اپنے والد صاحب کے پاس آیا۔ اور اس بات کی وضاحت چاہی کہ کس طرح اس کی بُوا کی عزت لوٹ لی گئی تھی۔ چودھری رام دیال اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ لبشمبر نوجوان ہے۔ تند مزاج ہے اور نہایت غصیلہ اور جوشیلا ہے کہیں وہ کوئی خطرناک قدم نہ اٹھا بیٹھے۔ اس لئے وہ باتوں کو ٹالنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر لبشمبر غصے میں بھر کر یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ سب کچھ سمجھ چکا ہے اور وقت آنے پر تمام حساب چکتہ کرے گا۔

صرف ضیافت پر ہی نہیں، شادی میں بھی چودھری نگیندر موہن نے خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ ان کی فراخدلی کی دھوم گرد و نواح کے جملہ دیہات میں مچ گئی۔ اور خوشیوں اور شادمانیوں کے ایک بے پناہ ہجوم میں ان کے لڑکے اِندر کی شادی چودھری لکھی سنگھ کی لڑکی ترشلا سے بخوبی انجام پا گئی۔

اگلے سال پھر چودھری نگیندر موہن نے راگ و رنگ کی محفل سجائی اور نگیندر بھون پھر ایک نیا جوبن اور نیا نکھار آ گیا۔ لوگ چودھری صاحب کو اُن کے پوتے کے جنم پر بدھائی دیتے نہ تھکتے تھے چودھری صاحب نے تھیلیوں کا منہ کھول دیا تھا اور غریبوں اور حاجتمندوں کی دعائیں خوب سمیٹیں تھیں۔ اس کے بعد ترشلا نے ایک ایک سال کے وقفے میں بعد دو لڑکیوں کو جنم دیا۔ لڑکے کا نام شنکر اور لڑکیوں کا نام اُوما اور کانتی رکھا گیا۔ ترشلا کا رویہ۔ ششما ہریندر، اور مہندر سے سلوک شروع شروع میں تو نہایت مشفقانہ تھا۔ مگر اس کی اپنی اولاد ہو جانے کے بعد رفتہ رفتہ اس میں کمی واقع

ہونے لگی تھی۔ رمی میٹرک کے امتحان میں پوری یونیورسٹی میں اول آیا۔ اور اس بات کی گھر کے تمام افراد کو بے حد خوشی ہوئی۔ اب اس نے نزدیک کے شہر میں پری میڈیکل میں داخلہ لے لیا تھا اور وہیں ہوسٹل میں رہنے لگ گیا تھا۔ چودھری صاحب اس کو تین سو روپیہ ماہانہ خرچ بھیجتے تھے۔ ششما۔ مہندر اور مہندر ابھی گاؤں کے سکول میں ہی پڑھ رہے تھے۔



تیسرا باب

پری میڈیکل کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کر کے رودی مشہور و معروف میڈیکل کالج میں داخل ہو گیا اور اپنی خوش خلقی، بلند خیالی اور ہمہ دانی کی وجہ سے جلد ہی ہر دلعزیز بن گیا۔ اس کی شرافت نے سب کا دل موہ لیا۔ پروفیسر صاحبان اور طلبا سب ہی اسے سچے دل سے پیار کرتے تھے۔ حالانکہ اسے داخلہ لئے ابھی چند ہی روز ہوئے تھے مگر اس کی غمگساری اور ملنساری پہلے ہی لوگوں کے دلوں میں اپنا گھر کر چکیں تھیں۔ ایک سانحے نے سب کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ جس روز رودی داخلہ لینے کے لئے آیا کھڑکی پر غیر معمولی بھیڑ تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ بھیڑ ذرا چھٹ جائے تو وہ بھی اپنے فارم وغیرہ دے اور فیس جمع کرائے۔ اتنا سوچ کر وہ پاس کے ہرے بھرے گھاس کے لان میں ٹہلنے لگ گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان سامنے بیٹھا پیشانی پہ ہاتھ رکھے کسی گہری سوچ میں

مستغرق ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اس کی قمیض اور پتلون پر سے بہتے ہوئے۔ زمیں بوس ہو رہے ہیں اور وہ بار بار رومال آنکھوں پر لے جا کر ان کو روکنے کی سعیٔ ناکام کر رہا ہے۔ روی سے نہ رہا گیا اور وہ تیز گامی سے اس کے نزدیک پہنچا اور گویا ہوا۔

"بھائی صاحب! آپ کو کیا ہوا ہے۔ اگر کوئی ہرج نہ سمجھیں تو مجھے بتلایئے کہ آخر کس بات نے آپ جیسے صحتمند نوجوان کو اشکباری پر مجبور کیا ہے؟

نوجوان نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں اور روی نے صاف پڑھ لیا۔ کہ ان میں مایوسی، حسرت اور ناکام آرزو کی جھلک تھی۔ نوجوان کے کوئی جواب نہ دینے پر روی کو پھر سے دہرانا پڑا۔

"بھائی صاحب! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت بیجا کر رہا ہوں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ دل کی بات کہہ ڈالنے سے غم ہلکا ہو جایا کرتا ہے۔ میرے امکان میں جہاں تک بھی ہو آپ کی کسی بھی قسم کی مدد کرنا باعث فخر سمجھوں گا۔

روی کے لہجے میں شیرینی اور طرز گویائی سے نوجوان کچھ مرعوب سا ہو گیا تھا اور اس کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ جیسے روی سے اس کی برسوں کی شناسائی ہے۔ وہ کہنے لگا۔" میرے دوست یہ دنیا ہے یہاں نجانے کتنی حسرتیں انسان کے اندر ہی اندر دفن ہو جاتی ہیں اور کتنی ناکام آرزوئیں گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیتی ہیں۔ ایک بےبس انسان سوائے آنسو بہانے کے اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ یہاں سب چاہا ہوا پورا کبھی نہیں ہوتا اور ہمیں اپنی موجودہ حالت پر قانع اور قادر رہنا چاہیئے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ شہرۂ آفاق اردو شاعر مرزا غالب کہہ گئے ہیں ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

"مسٹر تم نے مجھے میرے دوست کہا ہے۔ لفظ دوست، کوئی معمولی نہیں ہوتا۔ اس ایک لفظ میں کتنی گہرائی اور وسعت پنہاں ہے۔ اور کتنا تقدس، پیار، خلوص اور جذبہ ایثار اس ایک لفظ سے ٹپکتا ہے صرف وہی شخص جان سکتا ہے جسے کبھی کسی کی دوستی اور رفاقت کا دم بھرنے کا فخر حاصل ہوا ہو۔ اب تو آپ کو مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ آخر کس وجہ سے آپ اتنے مغموم، ملول اور کبیدہ خاطر ہیں۔ اب ردی نے براہ راست حملے کرنے چھوڑ دیئے تھے اور گوریلا لڑائی لڑنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

"میرے دل میں کتنے ارمان مچلا کرتے تھے اور میری کتنی زبردست خواہش تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں۔ اور اپنے آپ کو خدمت خلق میں سمو دوں مگر شاید میری قسمت کو کچھ اور ہی منظور ہے۔ چلئے جیسا ہو گا دیکھا جائے گا" نوجوان ردی کے حملے کی تاب نہ لا کر کہہ بیٹھا مگر یہ بات ڈھکی چھپی نہ تھی کہ وہ کچھ ندامت اور سبکی سی محسوس کر رہا ہے۔

"آپ کے ڈاکٹر بننے میں کونسی رکاوٹ حائل ہے اور کونسا فعل مانع ہے ذرا وضاحت سے بیان کیجئے۔ یوں پہیلیاں بجھانے سے کام نہ چلے گا۔ اور ہاں ذرا جلدی سے مجھے اپنا اسم شریف بتلایئے۔ ہم اتنی باتیں کر چکے ہیں اور اب تک ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں لیجئے پہل میں کئے دیتا ہوں۔ مجھے ردی کہتے ہیں۔ اسی کالج میں داخلہ لینے کے لئے آیا ہوں۔ اور تمہاری طرح صرف میری خواہش ہی نہیں بلکہ عزم راسخ ہے کہ میں ڈاکٹر بنوں گا" ردی نے نوجوان کے

راستے سے اینٹ پتھر وغیرہ ہٹا دیئے۔ اور اب اس کو کھل جانے زیادہ دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اور وہ گویا ہوا ۔

" رفی صاحب مجھے اعتراف ہے کہ آپ نے ایسی ذرا سی دیر میں نجانے مجھ پر کیا جادو کر دیا ہے۔ میں آپ کے خلوص اور خوش خلقی کا تہہ دل سے قائل ہو گیا ہوں۔ لہٰذا اب مجھے اپنا دل آپ کے سامنے کھولنے میں قطعی کوئی جھجک اور تامل نہیں رہا۔ لیجئے سنئے۔ میرے پتاجی اسی شہر میں ایک چھوٹی سی برتنوں کی دکان کرتے تھے ۔ اس دوکان میں کبھی دو تین ہزار سے زیادہ کا مال نہیں رہا۔ ان کی آمدنی نے کبھی ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ سے تجاوز نہ کیا۔ ہم سات بھائی بہن ہیں۔ اس کے علاوہ میرے بوڑھے داداجی اور دادی جی تھے اور والد صاحب اور والدہ کو شامل کر کے گھر کے کل ۱۱ افراد تھے جن کا گزارہ صرف اسی ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی آمدنی پر تھا۔ تنگی ترشی سے گزر اوقات ہو رہی تھی مگر قسمت کو شاید یہ بھی منظور نہ تھا۔ پتاجی کو اچانک کینسر جیسے موذی اور مہلک مرض نے آگھیرا۔ ان کے علاج معالجے کے سلسلے میں گھر کا تمام اثاثہ ۔ دوکان کا سامان اور تھوڑے بہت زیور، جو میری والدہ کی شادی کے وقت کے تھے تمام بک گئے۔ رفی صاحب میں ہی جانتا ہوں کہ ان کو شفایاب دیکھنے کے لئے میں نے کیا کیا دوڑ دھوپ نہ کی۔ کس کس کی خوشامد نہ کی۔ میں یہ کہے بغیر نہ رہوں گا کہ ہمارے ملک کے ڈاکٹروں اور اطبا کو صرف دولت سے ہی پیار ہے۔ انسانی جان کی ان کے نزدیک کوئی قیمت نہ ہے، دولتمندوں کے اردگرد خدمت گزاروں کی طرح لگے رہتے ہیں مگر غربا کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

مگر بھائی صاحب پانچوں انگلیاں کبھی برابر نہیں ہوا کرتیں۔ اس سلسلے میں
میرا ڈاکٹر مکرجی اور ڈاکٹر ورمانی سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ یہ دونوں
انسان نہیں دیوتا ہیں۔ انھوں نے میرے پتاجی کی علالت کے سلسلے میں اپنی
حتی الامکان کوشش کرنے سے کبھی گریز نہ کیا۔ مگر قسمت کے لکھے کو کون
ٹال سکتا ہے۔ ہماری شومئی قسمت کہ پتاجی جانبر نہ ہو سکے۔ ان کی بے وقت
موت سے گھر میں ایک کہرام سا مچ گیا۔ یکے بعد دیگرے داداجی اور دادی جی
بھی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ رہی صاحب پتاجی کی طویل علالت نے
میرے اندر ایک خواہش کو جنم دیا کہ میں ضرور ڈاکٹر بنوں اور غربا اور
حاجتمندوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دوں۔ مگر اب
دقت یہ ہے کہ ہم ابھی تک وہ دو ہزار روپیہ ہی ادا نہ کر سکے ہیں جو ہم
نے پتاجی کی علالت کے سلسلے میں قرض لیا تھا۔ قرض بھی ہمیں کون دیتا؟
اس کے لئے بھی ہمیں اپنا جدّی مکان جو قریب سات آٹھ ہزار روپے
کی مالیت کا ہے۔ رہن رکھنا پڑا۔ شری چندر بھان جن سے قرض لیا
تھا کہتے ہیں کہ سود سمیت چار ہزار ہو گئے ہیں۔ ان کے سامنے بھی بیس
لاکھ گڑگڑایا اور مزید دو ہزار روپے طلب کئے مگر وہ کسی بھی طرح
دینے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ماتاجی نے میٹرک اور بیسک کا امتحان پاس
کیا ہوا ہے۔ ان کو کل ہی ایک گرلس سکول میں ۱۰۰ روپے ماہوار کی
ملازمت ملی ہے۔ ان کو بوجہ مجبوری یہ سب کرنا پڑا ہے ورنہ میرے
داداجی کی حیات میں انھوں نے لاکھ کوشش کی مگر کبھی ان کو ملازمت
کرنے کی اجازت نہ ملی۔ قصہ کوتاہ اب میرے پاس میڈیکل کالج میں
داخلہ لینے کے لئے فیس تک کے روپے نہ ہیں۔ کچھ ٹیوشنیں وغیرہ کر کے

میں نے پری میڈیکل کا امتحان تو پاس کر لیا تھا۔ اگر ایک بار مجھے داخلہ مل جائے تو مجھے امید کامل ہے کہ کچھ نہ کچھ کر کے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ سکوں گا۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ داخلے کے لئے ۴۵۰ روپے کہاں سے لاؤں۔ روی صاحب جہاں تک میرے نام کا تعلق ہے مجھے اُمیش کہتے ہیں۔ اپنی ناکام حسرت کے لئے میں نے میڈیکل کالج کے در و دیواروں کو تکنے کی ٹھانی اور یہاں آپہنچا۔

روی یہ تمام باتیں بڑے انہماک سے ہمہ تن گوش ہو کر سن رہا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں کی اشکباری کو بھی نہ روک سکا تھا۔ یہ تمام باتیں سن کر اس کا درد مند اور غمگسار دل بے حد متاثر ہوا تھا۔ باتیں ختم ہونے پر وہ گویا ہوا۔

"مسٹر اُمیش! آپ بالکل دل چھوٹا نہ کیجئے اور بالکل نہ گھبرایئے مجھے از حد خوشی ہوگی اگر آپ فیس کے داخلے کے لئے حقیر سا نذرانہ مجھ سے قبول کر لیں۔ میں تقریباً ایک ہزار روپیہ گھر سے لے کر چلا تھا بفضل خدا میرے والد صاحب کی اقتصادی حالت خاصی اچھی ہے۔ میرے پاس جتنے روپے ہیں۔ ان سے ہم دونوں بخوبی اپنی فیس داخلہ ادا کر سکتے ہیں۔"

"میں آپ کا نہایت ممنون و مشکور ہوں۔ مگر میں کس منہ سے کہوں کہ آپ میری مدد کریں۔ یہ روپیہ اگر میں قرض حسنہ کے طور پر بھی لوں تو کہہ نہیں سکتا کب تک اس کو لوٹانے کے قابل ہوں۔" اُمیش نے جواباً کہا۔

"ارے بھائی تم کس چکر میں پڑ گئے؟ لوٹانے وُٹانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ویسے اگر تم لوٹانے میں ہی اپنی برتری اور فضیلت

سمجھو تو مجھے اس کے لئے بھی اعتراض نہ ہوگا۔ جب بھی کبھی تمہارے پاس ہوں لوٹا دینا۔"

ردی امیش کی مدد کرنے پر کمر بستہ ہو چکا تھا، اور آپ سے تم پر آکر اس نے اپنی بے تکلفی کا مظاہرہ بھی کر دیا تھا۔ ردی کی صدق دلی۔ خوش خلقی اور دردمندی نے امیش کا دل موہ لیا تھا اور وہ بھی اس کی مدد قبول کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ ردی نے امیش کے فارم وغیرہ پُر کر دلئے اپنے فارم وہ پہلے ہی پُر کر چکا تھا۔ اس نے دونوں کی طرف سے فیس داخلہ جمع کی۔ ابھی وہ کھڑکی سے ہٹے ہی تھے کہ میڈیکل کالج کے پروفیسر سرجری مسٹر بی۔ این۔ چکرورتی جو امیش کے حالات سے قدرے واقف تھے اِن کو ملے۔ پروفیسر صاحب نے امیش سے دریافت کیا کہ اس کی فیس داخلہ کا کوئی انتظام ہوا یا نہیں۔ اس پر اس نے ردی کی بروقت مدد کی بابت پروفیسر صاحب کو بے کم و کاست سب کچھ بتا دیا۔ پروفیسر صاحب نے تھپکی ردی کی پیٹھ ٹھونکی اور کہے بغیر نہ رہ سکے کہ وہ ضرور کسی روز اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے گا۔ اور پھر پروفیسر صاحب کے ایما پر ہی یہ قصہ تمام کالج میں پھیل گیا۔ اور رفتہ رفتہ زباں زد عام ہو گیا۔ ردی کی شرافت اور جذبۂ ایثار کے سب قائل ہو گئے۔ کالج میں چھٹیاں ہونے کیوجہ سے ردی اپنے گھر واپس لوٹ آیا۔

.. ..

چوتھا باب

" ارے کون ۔ کملا دیدی ! اور ڈبّو صاحب بھی براجمان ہیں ۔ کب آئیں دیدی ؟ " ردی اپنی بہن کملا کے لڑکے ڈبّو کو گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے کہا ۔

" بس بھیّا ابھی دو چار دن ہی ہوئے ہیں مجھے آئے ہوئے ۔ کہو تمہارا داخلہ تو ٹھیک طرح سے ہو گیا ۔ یہاں آئی تو پتہ چلا کہ ماتا جی تیرتھ یاترا کے لئے کاشی جی چلی گئی ہیں "

" ہاں دیدی ! داخلہ داخلہ تو سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا ۔ جیجا جی بھی آئے ہیں کیا ؟

" نہیں ! وہ نہیں آ سکے ۔ ان کو چھٹی نہیں مل سکی "

" بھابی نمستے " ردی نے اپنی بھابی نرملا کو جو وہاں آ گئی تھی دیکھتے ہوئے کہا ۔

" کہو ردی ! تم داخل تو ہو آئے ۔ داخلے میں کتنا پیسہ خرچ ہوا ہوگا ؟

بھابی نے استفسار کیا۔

"بھابی سب ہی روپیہ خرچ ہو گیا۔ وہ بات یوں ہوئی کہ مجھے اپنے ایک غریب دوست کی فیس بھی داخل کرنا پڑی۔"

"ہاں بھئی کیوں نہ کرتے۔ ایک دوسرے حاتم طائی تم ہی تو پیدا ہوئے ہو اور پھر تمہارے ہاں تو روپیہ بنانے کی ٹکسال لگی ہوئی ہے۔ ہم تو بھئی جب جانیں گے جب اپنی خود کی کمائی یوں لٹانے پھرو گے۔" بھابی طعنہ زنی پر اتر آئی۔

روی نے خاموش رہنے میں ہی مصلحت سمجھی اور چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔ اس نے اپنے والد صاحب کو بھی سب کچھ بتا دیا۔ چودھری صاحب بڑے فیاض اور دریا دل آدمی تھے۔ انھوں نے روی کی پیٹھ ٹھونکی مگر جب یہ سب کچھ ترشلا کو معلوم ہوا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی وہ کافی دیر تک منہ پھلائے رہی اور اپنے خاوند کے سمجھانے بجھانے پر اس نے اپنا غصہ تھوکا۔

اگلی صبح ترشلا نے کملا کے لڑکے ڈبو کو دودھ پینے کے لئے بلایا۔ کملا جو اس وقت بیت الخلاء میں گئی ہوئی تھی جانے سے پہلے اپنی بھابی سے کہہ کر گئی تھی کہ وہ ڈبو کو دودھ پلا دے۔ کملا کی عادت تھی۔ کہ وہ بیت الخلاء میں زیادہ دیر نہیں لگاتی تھی اور دو چار منٹ میں ہی فراغت پا لیتی تھی۔ جس وقت وہ ہاتھ وغیرہ صاف کر کے اندر کمرے میں آئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ترشلا نے ڈبو کے دودھ میں تقریباً تین چوتھائی پانی کی آمیزش کر دی ہے اور پھر اس کو پینے کے لئے دیا ہے۔ ترشلا نے قطعاً نہیں دیکھا تھا کہ کملا نے کمرے کے ایک گوشے میں کھڑے ہو یہ سب

کچھ دیکھ لیا ہے۔ کملا غصے میں بھر گئی تھی۔ اور آگ بگولہ ہو کر اپنی بھابی سے کہنے لگی۔

"بھابی! یہ تم نے کیا کیا۔؟ کیا ڈبو کے لئے صرف پانی والا دودھ رہ گیا ہے؟ اور یہ تین تین چار چار بھینسیں گائیں پھر کس لئے ہیں۔ میں نے بڑی غلطی کی جو یہاں آئی۔ اگر مجھے پہلے ہی معلوم ہوتا کہ میری اور میرے بچے کی یہاں ایسی دُرگت ہو گی تو کبھی ادھر کا رخ نہ کرتی۔ خیر اب بھی کیا بگڑا ہے میں آج ہی لوٹ جاتی ہوں۔ اتنا کہہ کر کملا نے اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں سے زور زور سے زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نرملا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ جواب دے بھی کیا سکتی تھی۔ ماں کو روتے دیکھ کر ڈبو نے بھی زور زور سے رونا شروع شروع کر دیا تھا۔ اب کملا نے چیختے چلاتے ہوئے ڈبو کو نہایت بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ شور و غل سن کر چودھری نگیندر موہن۔ اِندر، روی اور سشما وغیرہ بھی وہاں آپہنچے تھے۔ چودھری صاحب کے استفسار پر کملا نے ان سب کے سامنے پھر سے تمام قصہ دہرایا۔ چودھری نگیندر موہن نے نرملا سے جواب طلبی کی مگر وہ اب بھی خاموش رہی۔ ان کے تن بدن میں آگ تو پہلے ہی لگی ہوئی تھی۔ مگر اب نرملا کی خاموشی نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا وہ نہایت غصیلے اور ساتھ ساتھ درد بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

"بہو! تمہیں مجھے یہ دن بھی دکھانا تھا۔ حد ہو گئی۔ بالکل کمال ہو گیا۔ وہ شخص جس نے ہمیشہ سب کو کھلا کر کھایا ہو۔ اور اور اگر کسی راہ چلتے نے کبھی پانی بھی طلب کیا تو اس کو پیٹ بھر دودھ پلایا یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہے۔ اس کے اپنے نواسے کو اس کے اپنے گھر میں آج پانی کی

آمیزش ڈالا دودھ مل رہا ہے۔ بہو تم نے میرے دل پر وہ زخم لگایا ہے جو شاید کبھی مندمل نہ ہو سکے گا۔ میں تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے خاندان میں ضرور کوئی تی ہے۔"

اِندر جو پاس کھڑا یہ تمام باتیں سن رہا تھا اور اب تک چپ سادھے ہوا تھا اب مزید اپنے اوپر قابو نہ رہ سکا۔ وہ اب تک اندر ہی اندر سُلگتا رہا تھا۔ نجانے اسے یکایک کیا سوجھی کہ اس نے پاس پڑی ایک لاٹھی اٹھائی اور ایک بھرپور وار ترشلا کے اوپر کیا۔ خون کے فوارے ترشلا کے سر سے پھوٹ پڑے۔ کافی گرم گرم خون فرش کے چاروں طرف پھیل گیا۔ ترشلا کے سر میں شدید چوٹ آئی تھی۔ اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی تھی۔ اب سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے مگر روی نے اپنے اوسان نہیں کھوئے تھے۔ وہ فوراً جا کر اپنا فسٹ ایڈ کا سامان لے آیا تھا اور اس نے ترشلا کا زخم دھو کر اس پر ڈٹول لگا کر اوپر روئی رکھ دی اور پٹی باندھ دی۔ پھر وہ اس کو کار میں بٹھا کر نزدیک کے شہر میں لے گیا۔ چودھری صاحب اور اندر بھی ساتھ گئے تھے۔ چودھری صاحب نے اِندر کو بہت لتاڑا تھا اور کہا تھا کہ اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ شہر میں ڈاکٹر نے زخم کو سی دیا تھا۔ اور ان لوگوں کو بتلایا تھا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ زخم کاری نہیں ہے۔ آخر چند روز میں ترشلا شفایاب ہو گئی۔ اور پھر وہاں ٹھہرنے کی جرأت اور ہمت اپنے اندر نہ پا کر شرمندگی سے بچنے کے لئے اپنے میکے چلی گئی۔

کملا۔ اِندر اور روی وغیرہ نے چودھری صاحب کو بہت سمجھایا کہ وہ اس واقعے کو بالکل فراموش کر جائیں۔ ہر گھر میں کوئی نہ کوئی واقعہ اس

قسم کا ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر نجانے کیا بات تھی چودھری صاحب نے اس واقعہ کا شدید اثر لیا تھا۔ انھوں نے اس سانحے کو اپنی دریادلی۔ فیاضی اجارت اور خودداری کے لئے ایک قسم کا ایک چیلنج تصور کیا تھا۔ مقام حیرت تھا کہ اس واقعے نے ان کو بیمار ڈال دیا تھا۔ ان کا کسی کام میں بھی جی نہ لگتا تھا۔ وہ ہر وقت چارپائی پر پڑے کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے۔ اس گھڑی کو کوسنے دیتے جب وہ ترشلا کو اپنی بہو بنا کر لائے تھے۔ ان کے لئے یہ خیال سوہان روح بن گیا تھا کہ کہیں ترشلا کی رذالت اور سفاپن ان کے اپنے بچوں پر بھی اثر انداز نہ ہو۔ یہ بات کبھی ان کے خواب و خیال اور شان و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ ان کی بہو ان کے اپنے نواسے کو پانی ملا ہوا دودھ پلائے گی۔ نجانے کہاں سے آکر ان کے دماغ میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا تھا۔ کہ اب ان کا یہ ہرا بھرا چمن جسے انہوں نے اپنا خون دے کر سینچا ہے تخت و تاراج اور نیست و نابود ہو کر رہے گا۔ گھر کے تمام افراد نے حتی الوسع کوشش کی تھی کہ چودھری صاحب ان تمام خیالات کو اپنے دل سے نکال دیں اور حسب معمول اپنے کاموں میں دلچسپی لیں مگر سب بے سود۔

چودھری لکھی سنگھ کو بھی تمام حالات معلوم ہو گئے تھے۔ جب ان کی لڑکی نے اپنے سر کی چوٹ کی بابت بتایا تھا اور کہا تھا کہ وہ اب کبھی اپنی سسرال لوٹ کر نہیں جائے گی تو انھوں نے غصّے سے لال پیلا ہو کر اس کو ڈانٹا تھا اور کہا تھا کہ وہ اگر موقع پر ہوتے تو اس کا گلا گھونٹ دیتے انھوں نے اپنی بیٹی کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اس کی کمینگی اور رذالت نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ اب وہ کیا منہ لے کر چودھری نگینہ رموہن کے پاس جائیں گے۔

پھر وہ ترشلا کو لے کر چودھری نگیندر موہن کے پاس آئے اور اس کو ان کے پیروں میں گرا دیا ۔ چودھری نگیندر موہن نے شفقت بھرا ہاتھ بھی کے سر پر رکھ دیا جس سے ظاہر تھا کہ انھوں نے اس کو معاف کر دیا ہے ۔ وہ خود دل سے چاہتے تھے کہ اس معمولی سے واقعے کو بھول جائیں مگر لاکھ چاہنے پر نہ بھلا سکے تھے ۔ وقتی طور پر انھوں نے ترشلا کو ضرور معاف کر دیا تھا مگر ان کا یہ وہم کسی بھی طرح سے دور ہی نہ ہوتا تھا کہ اب ان کے گھر کو تباہی اور بربادی سے کوئی نہیں بچا سکتا ۔ ان کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہونے لگی اور گاہے بگاہے ان کو دل کے ہلکے ہلکے دورے بھی پڑنے لگے ۔

اپنی تباہی کی حالت دیکھ کر کملا بھی بے حد فکر مند اور کچھ سہمی سہمی سی رہنے لگی تھی ۔ اس کو رہ رہ کر یہ خیال آتا کہ یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا ہے ۔ اگر وہ غصے میں آکر سارا گھر سر پر نہ اٹھا لیتی تو شاید اس کے تایاجی کو اس واقعہ کا پتہ نہ چلتا اور پھر شاید وہ بیمار نہ پڑ جاتے ۔ مگر اس بیچاری کو کیا معلوم تھا کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی ۔ آخر چند روز بعد وہ بھی اپنے سسرال واپس چلی گئی ۔

.. ..

پانچواں باب

روی نے میڈیکل کالج کے ہوسٹل میں داخلہ لے لیا تھا اور اسے ایک نہایت ہی شاندار کیوبیکل مل گیا تھا۔ اپنے ذوق کے مطابق اس نے اپنے کمرے کو آراستہ و پیراستہ بھی کر لیا تھا۔ اپنے محبوب لیڈر پنڈت جواہر لعل نہرو کی ایک فُل سائز تصویر اس نے اپنے کمرے کی سامنے والی دیوار پر آویزاں کر لی تھی۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر بسنتی رنگ کے خوشنما پردے لٹکا دیئے تھے۔

ہمیش سے اس کے تعلقات روز بروز فزوں سے فزوں تر ہوتے جا رہے تھے۔ ہر پروگرام دونوں ساتھ ہی مرتب کرتے۔ زیادہ تر ہمیش روی کے ساتھ ہی ہوسٹل میں کھانا کھاتا تھا اور پھر دونوں لمبی سیر کے لئے نکل جاتے۔ گفتگو کا موضوع زیادہ تر ہمارے ڈاکٹر اور ان کا فرض، ہی ہوتا، دونوں کی متفقہ رائے تھی کہ ہمارے ڈاکٹر اگر خودغرضی چھوڑ کر خدمت خلق کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو پھر کیا کہنا ہے۔ ملک کی کایا ہی پلٹ سکتی ہے۔

دونوں کا دل خدمتِ خلق اور انسانی سیوا کے جذبے سے معمور تھا۔ وہ ہر وقت اسی اُدھیڑبُن میں رہتے کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ دُکھی، حاجتمند اور غریب لوگوں کے کام آسکتے ہیں۔

ایک دن روی روزمرّہ کی ضروریات کی کچھ اشیا خریدنے کے لئے ایک مشہور پروویژنی سٹور پہ پہنچا یہ ایک بہت بڑی جنرل مرچنٹس کی دوکان تھی آج اتفاق سے وہ اکیلا تھا۔ اس دوکان پر ٹائلیٹس، کازمیٹیکس، ریڈی میڈ گارمینٹس، ٹرانسسٹرز بسکٹس وغیرہ سب کچھ ملتا تھا۔ اس دکان کی یہ خصوصیت تھی کہ یہاں سب کو ایک ہی نرخ پر سودا ملتا تھا۔ سودے بازی کے لئے کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہوئی تھی۔ لوگ اپنے بچوں کو بلا کسی تامل اور جھجک کے ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لئے بھیج دیتے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہاں ہر چیز کی قیمت مقرر ہے اور مقررہ قیمت سے زیادہ یہ لوگ کبھی اور کسی حالت میں بھی وصول نہیں کرتے خواہ خریدار بچہ ہو یا جوان یا پھر بوڑھا، اس دکان کا ماحول تھا کہ منافع اتنا چاہیئے جتنا کھانے میں نمک ہو۔ ان سنہری اصولوں کی وجہ سے اس دکان کی دھاک پورے شہر میں بیٹھی ہوئی تھی اور بیشتر اوقات ایسا دیکھنے میں آیا تھا کہ خریداروں کی تعداد اتنی بڑھ جاتی کہ کچھ لوگوں کو گھنٹوں دکان کے باہر انتظار کرنا پڑتا۔ اس دوکان کی آمدنی ہرگز ہرگز ان دکانوں سے کم نہیں تھی۔ جو جیسا منہ دیکھتے ہیں ویسا تھپڑ لگا دیتے ہیں۔ کسی سے ایک چیز کی قیمت ۵ روپے طلب کر لیتے ہیں دوسرے کو وہی چیز تین روپے میں فروخت کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اسی بات کی تاک میں رہتے ہیں کہ بس دو چار گاہک صبح سے شام تک ایسے پھنس جائیں جو عقل کے بدھو اور

گانٹھ کے پودے ہوں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ دیانتداری بزنس کا پہلا اصول ہونا چاہئے۔

روی جب دوکان پر پہنچا تو آج خلافِ معمول وہاں بھیڑ نہ تھی۔ وہ کاؤنٹر پہ ایک سیلزمین کے پاس گیا اور نہایت شیریں اور مہذب لہجے میں گویا ہوا۔

" لیجئے صاحب، یہ فہرست لیجئے اور یہ چیزیں نکال دیجئے "

" ابھی لیجئے گا۔ دو منٹ میں سب کچھ حاضر کرتا ہوں "

سیلزمین نے فہرست پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اور پھر فوراً بول اٹھا۔

" فارہنز ٹوتھ پیسٹ اکانومی سائز تو صاحب ختم ہو گیا ہے۔ وہ تو آپ کو ایک دو روز بعد ہی مل سکے گا۔ ہاں اگر کہئے تو نیا کا۔ کال گیٹ میکلینز وغیرہ میں سے کوئی پیش خدمت کر دوں "

" سبھی ٹوتھ پیسٹس اپنی اپنی جگہ خوب ہیں۔ مگر صاحب جو بات مجھے فارہنز میں نظر آئی۔ اس کا جواب نہیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ابھی میرے پاس کچھ تھوڑا سا ٹوتھ پیسٹ پڑا ہوا ہے۔ ایک روز بعد ہی آپ باقی چیزیں نکال دیجئے "

" فوراً سے پیشتر لیجئے صاحب۔ ابھی حاضر کئے دیتا ہوں "

سیلزمین نے اپنی خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

اتنے میں ایک نہایت ہی حسین دوشیزہ کاؤنٹر کے قریب آئی ۔ روی کی آنکھیں برائے چندے اوپر اٹھیں اور ٹھٹک کر رہ گئیں۔ روی کو اپنے دل کے اندر ہی اندر اعتراف کرنا پڑا کہ اس سے حسین اور

خوبصورت لڑکی اس سے پہلے اس نے نہ دیکھی تھی۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ دنیا کا تمام حسن اور کائنات کی تمام خوبصورتی ایک ہی مرکز پر آکر سمٹ گئے ہیں۔ وہ بلا مبالغہ چودھویں کا چاند معلوم ہوتی تھی۔ ردی کو مخاطب کر کے بولی۔

" معاف کیجیئے گا صاحب۔ یہ درست ہے کہ مجھے آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت بیجا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر کہے بغیر رہا بھی نہیں جاتا کہ کال گیٹ توتھ پیسٹ تمام ٹوتھ پیسٹس کا شہنشاہ ہے اس کے استعمال سے دانت موتی کی مانند آبدار بن جاتے ہیں۔ یہ دانتوں کی درگندھ (بدبو) دور کرتا ہے۔ مسوڑھوں کو سڑنے سے بچاتا ہے اس کے استعمال سے منہ میں تمام دن ایک قسم کی تروتازگی سی رہتی ہے میں نے ابھی ابھی آپ کی باتیں سنیں اور یہ سن کر حیران رہ گئی۔ کہ آپ نے کال گیٹ توتھ پیسٹ کے مقابلے میں فارہنز کو ترجیح دی "

" کیا وہ آپ نے نہیں سنا کہ خیال اپنا اپنا اور پسند اپنی اپنی۔ یہ جو باتیں آپ کے کول گیٹ توتھ پیسٹ کے بارے میں کہیں ہیں میرے خیال میں اس سے بھی کہیں زیادہ خوبیاں فارہنز ٹوتھ پیسٹ میں ہیں " ردی نے دوشیزہ کی مسحورکن شخصیت اور ترنم ریز لہجے سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

" وہ تو درست ہے صاحب۔ مگر میں دعوی سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ اگر ایک بار کول گیٹ ڈنٹیل کریم یوز کرلیں تو باقی سب بھول جائیں گے آزمائش شرط ہے۔

" اچھا صاحب۔ یہی سہی۔ آزمانے میں کیا ہرج ہے۔ لیجیئے صاحب

کال گیٹ ہی دے دیجیے۔ رومی نے سیلزمین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

رومی نے صاف دیکھا کہ اس کے اتنا کہنے سے دوشیزہ کے چہرے پر مسرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی جسے وہ باوجود کوشش کے چھپا نہ سکی۔ اور رومی سے کہنے لگی۔

"شکریہ۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"ارے۔ اس میں شکریے کی کیا بات ہے؟ معاف کیجیے گا کہیں آپ کال گیٹ والوں کی کوئی ایجنٹ تو نہیں ہیں؟"

رومی نے اپنی بذلہ سنجی کا مظاہرا کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ویسے ہی جیسے آپ فارہنر ٹوتھ پیسٹ والوں کے ایجنٹ ہیں"
دوشیزہ نے اپنی کمان سی بھوؤں کو ذرا خم دے کر کہا اور پھر وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

تڑاخ، تڑاخ طمانچوں کی زوردار آواز آئی۔ دونوں کی نگاہیں اس طرف اٹھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ چھ سات سال کی عمر کا ایک بچہ دوکان کے باہر رکھی ہوئی ٹرائسکلز میں سے ایک کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور اس کے ساتھ والے آدمی نے غصے میں بھر کر اس کو دو تین طمانچے لگا دیئے ہیں۔
رومی جھٹ سے باہر کی طرف لپکا اور اس شخص کے ہاتھ پکڑ کر گویا ہوا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ایک معصوم بچے کو اتنی بیدردی سے پیٹے جا رہے ہیں۔ آخر بات کیا ہے؟"

"بات کیا ہے صاحب۔ اس بچے نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ اس کو لیکر تو بازار میں نکلنا بھی دوبھر ہو گیا ہے۔ سائیکل سائیکل کی رٹ لگا رکھی

ہے۔ یہ اس کو معلوم ہی نہیں کہ اس مہنگائی کے زمانے میں پیٹ بھر سوکھا اناج تو مل نہیں رہا اور اس لاٹ صاحب کے بچے کو سواری کے لئے سائیکل چاہئے اس کے اور بھی پانچ بھائی بہن ہیں کیا مجال چوں بھی کرتے ہوں بیچارے جیسا روکھا سوکھا مل جاتا ہے کھا لیتے ہیں۔ کبھی کسی بات کے لئے ضد نہیں کرتے۔ اگر یہ اکیلا ہوتا تب بھی کوئی بات تھی" بچے کا باپ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

ایسے موقعوں پر راہ چلتے آدمی اکٹھے ہو ہی جایا کرتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ ایک راہ گیر جھٹ سے بول اٹھا۔

"معاف کیجئے صاحب۔ اگر آپ ایک بچے کی چھوٹی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے تو بچے پیدا کرنے کا آپ کو حق ہی کیا ہے؟ آپ اتنے بچے پیدا کیوں نہیں کرتے جن کی جائز خواہشات کی آپ تکمیل کر سکیں۔ کیا آپ نہیں مانیں گے کہ سائیکل کا مطالبہ ایک بچے کا فطری اور قدرتی حق ہے۔؟

بات پر مزاح ہونے کے علاوہ حقائق پر بھی مبنی تھی۔ اس پر ایک فرمائشی قہقہہ بھی پڑا۔

اسی اثناء میں روی نے روتے بلکتے بچے کو گود میں اٹھا لیا تھا۔ اس کے چہرے پر طمانچوں کے نشانات صاف طور پر عیاں تھے۔ روی کا دل بھی اندر سے رو اٹھا۔ اپنے ملک کے بچوں کی یہ حالت دیکھ کر اس کا کلیجہ منہ کو آنے لگا اور اس کا درد مند اور حساس دل چھلنی ہو گیا۔ راہ گیر کی بات اس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔

اس نے سوچا تھا کہ راہ گیر نے دو تین فقروں میں پوری سوسائٹی کی صحیح تصویر کھینچ کے رکھ دی ہے۔ واقعی ہمارے ملک میں لوگ اندھا

دھندا اور آج بغیر سوچے سمجھے بچے پیدا کئے جاتے ہیں۔ جیسے زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے والوں کو کوئی بہت بڑا اعزازی سرٹیفیکٹ ملنے والا ہے۔ ردی نے سائیکل کی قیمت دکاندار سے پوچھی اور بٹوہ نکال کر فوراً ادا کی۔ سائیکل بچے کے باپ کے حوالے کی۔ وہ جھٹ بول اٹھا۔

"آپ کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں صاحب۔ میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ آپ کا قرض اتار سکوں۔"

"کوئی بات نہیں بھائی کوئی بات نہیں۔ یہ بچے کے لئے اس کے چچا کی طرف سے ایک تحفہ سمجھ کر قبول کر لو۔ اس سے بچے کا دل رہ جائے گا۔ ردی نے کہا۔

اور پھر اس نے بچے کو گود سے اتار کر سائیکل پر بٹھایا۔ بچہ جو کچھ اس سے قبل ہوا تھا سب بھول گیا۔ ممنون اور متشکرانہ نظروں سے ردی کی طرف دیکھنے لگا اور تڑا لسکل کی پیڈلنگ شروع کر دی۔ ردی نے دیکھا کہ طرب و مسرت بچے کی ایک ایک ادا سے آشکارا اور ہویدا تھی۔

راہ گیر پھر بول اٹھا۔

"معاف کیجئے گا صاحب۔ شاید آپ کو برا لگے۔ مگر میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس المیہ کا صحیح حل یہ نہیں ہے جو آپ نے اپنی فراخدلی دکھا کر ابھی ابھی تجویز کیا ہے۔ میں پھر کہوں گا کہ ہمیں اس بات کا عزم راسخ کر لینا چاہئے۔ کہ چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے۔ خواہ آتش فشاں پہاڑ برف اگلنے لگے۔ خواہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلنے لگے۔ ہم صرف دو یا تین بچے پیدا کریں گے اور اب ایسا کرنا ممکنات میں سے ہو گیا ہے ہماری حکومت کروڑوں روپیہ خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم پر خرچ

کررہی ہے اور طرح طرح کے وسائل پھل کی روک تھام کے لئے ظہور میں آ گئے ہیں۔

تمام مجمعے نے ایک زبان ہو کر کہا: "بجا ارشاد فرمایا آپ نے۔ اب تو یہ سب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ اب تو ایسا کرنا ہی چاہیئے۔

" دوشیزہ روی کی طرف دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ وہ اب تک تمام واقعہ خاموشی سے اور حیرانی سے دیکھے جا رہی تھی۔ یہ جان کر کہ روی ایک نہایت غمگسار اور دردمند انسان ہے اس کا دل ایک انجانی سی خوشی سے معمور ہو گیا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ روی نے اپنا خریدا ہوا سامان لیا۔ قیمت ادا کی اور دوکان سے لوٹتے ہوئے اس کی نظر یکبارگی دوشیزہ کی طرف اٹھ ہی گئی۔ دوشیزہ اپنی جگہ پر جم کر رہ گئی تھی۔ اس کی نگاہیں روی کی نگاہوں سے چار ہوئیں اور نگاہوں کے تصادم نے زبان بن کر بہت کچھ کہہ دیا۔ دوشیزہ کے ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگے۔ اور پھر روی کو نمستے کہنے کے لئے آہستہ آہستہ آپس میں جڑ گئے۔ وہ کچھ کھوئی کھوئی سی معلوم ہوتی تھی۔ روی نے بھی آہستہ سے ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا۔ اور پھر چپ چاپ دوکان سے نکل گیا۔ دوشیزہ آہستہ روی سے کاؤنٹر پر پہنچی جیسے میلوں کا سفر طے کر کے آئی ہو۔

. . . .

چھٹا باب

"ڈیڈی۔ اس کار کو آپ بیچ ہی ڈالئے تو اچھا ہے۔ اس نے تو ناک میں دم کر دیا ہے۔ آج میں ذرا اس کو بازار تک کیا لے گئی کہ بس گھر پکڑنا مشکل ہو گیا۔ بریکس بالکل ناکارہ ہونے کی وجہ سے کئی حادثے ہوتے ہوتے بچے۔ ہمیں تو بھئی اب اس چھکڑے میں بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔" رینا نے اپنے والد کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی شرم کی بات تو ہے ہی۔ بھلا ایک ایگزیکٹو انجینیر کی لڑکی کو کہاں یہ بات شوبھا دیتی ہے کہ وہ ایسی ناکارہ گاڑی میں بیٹھے۔ میں جلد ہی کوئی اچھا سا گاہک لگنے پر اس کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ اور ہماری نئی فیئٹ بھی چند روز میں ہی آنے والی ہے۔ بس تمہیں تھوڑا سا اور انتظار کرنا پڑے گا بیٹی۔ ایگزیکٹو انجینیر دلباغ رائے نے اپنی بیٹی رینا کو جواب دیا۔

وہ اس وقت ضروری تعمیرات سے متعلق کچھ نقشہ جات دیکھنے میں محو تھے رینا بھی یہ سب کچھ سمجھتی تھی۔ اس نے اپنے ڈیڈی کو زیادہ ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اپنے چپراسی مان سنگھ کو ہدایت کی کہ وہ آج کی خرید کردہ اشیا کا بنڈل اس کے کمرے میں پہنچا دے۔ پھر وہ سیدھی ڈرائینگ ٹیبل پر پہنچی۔ وہاں اس کا بھائی راکیش اور راکیش کا جگری دوست ہربنس پہلے سے اس کے منتظر تھے۔ فوراً ہی بعد اس کے ڈیڈی اور اس کی ممی بھی آن پہنچے۔

"کہو رینا۔ آج کیا کیا خریداری ہو گئی۔ راکیش نے بہن کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں بھیا۔ وہ تو میں کچھ کاز میٹیکس وغیرہ لائی ہوں۔

"ارے ہاں وہ میری شیو تک کریم اور بلیڈ ر وغیرہ لائی یا نہیں؟"

"بھیا وہ بھلا میں کیسے بھول سکتی تھی! وہ سب میں لے آئی"

یہ بات ڈھکی چھپی نہ تھی کہ رینا متواتر کچھ سوچے چلی جارہی تھی اور کچھ کھوئی کھوئی سی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ڈیڈی سے نہ رہا گیا اور پوچھ ہی بیٹھے۔

"رینا کیا بات ہے تم کچھ پریشان سی دکھائی پڑتی ہو۔

"جی نہیں ڈیڈی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ وہ آج ایک بڑا دردناک منظر دیکھا ڈیڈی؟ اور پھر اس نے جنرل مرچنٹس دوکان میں ہوئے تمام واقعہ کو دہرا ڈالا۔ سبھی کافی تیار ہوئے اور دلہا غرائے کہنے لگے۔

"بھئی اس نوجوان نے تو واقعی کمال کر ڈالا۔ بھلا اس زمانے میں کون کسی غیر کے بچے کے لئے اتنا کرتا ہے۔ واقعی کوئی نہایت ہی رحم دل اور شریف الطبع انسان ہے۔"

اور پھر ہریش کو مخاطب کر کے بولے۔

"کیوں! ہریش۔ ایم۔ اے کے بعد کیا ارادہ ہے؟

بھئی۔ میرے خیال میں تو آئی۔ اے۔ ایس کے امتحان کی تیاری میں جٹ جاؤ۔ میرا خیال ہے تم اور راکیش دونوں ہی اس امتحان میں کامیاب ہو سکتے ہو۔"

"چچا جی۔ میں اور راکیش دونوں ہی بہت محنت کر رہے ہیں۔ آپ جیسے بزرگوں کی دعائیں شامل حال ہیں تو کامیابی یقینی ہے۔ اپنا کام تو بس محنت کرنا ہے۔ باقی سب کچھ بھگوان کے ہاتھ ہے۔"

"ہاں بیٹا۔ بس محنت کئے جاؤ اور بھگوان پر بھروسہ رکھو۔"

کھانے سے فراغت پانے کے بعد ہریش اجازت لے کر اپنے گھر چلا گیا۔ ایگزیکٹیو انجنیئر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی بی۔ اینڈ۔ آر، شری دلہانخ رائے کچھ ہی دن ہوئے یہاں بدل کر آئے تھے۔ اپنی دیانتداری اور شرافت کی وجہ سے قلیل سے عرصے میں ہی ہر دلعزیز بن گئے تھے۔ ان کے صرف دو ہی بچے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ راکیش نے نہایت اچھے نمبروں سے اکنامکس میں ایم۔ اے کیا تھا اور رینا ابھی فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی۔ اپنے گاؤں میں کچھ اراضی زرعی کے بھی وہ مالک تھے جس سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی اس لئے نہایت مزے سے گزر بسر ہو رہی تھی۔

ہریش ایک متمول لوکل بزنس مین کا چشم چراغ تھا۔ اور نہایت ہونہار۔ ذہین اور شریف الطبع نوجوان تھا۔ حالانکہ ابھی ایگزیکٹیو انجنیئر صاحب کو یہاں آئے کوئی بہت عرصہ نہیں گزرا تھا اور راکیش اور ہریش کی دوستی کوئی بہت پرانی نہ تھی مگر افتاد طبع ایک جیسا ہونے کی

وجہ سے بہت جلد ایک دوسرے سے گھل مل گئے تھے۔ دونوں نے ساتھ ہی ایم اے کا امتحان دیا تھا۔ ہریتش نے فرسٹ کلاس فسٹ حاصل کیا تھا اور راکیش کی یونیورسٹی میں پانچویں پوزیشن تھی۔ ایگزیکیٹو انجینر صاحب اپنے دل میں فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ رینا کی شادی ہریتش سے ہی کریں گے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے اچھا لڑکا ان کو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گا۔ ان کی بیوی شریمتی تو جا دیوی کی بھی یہی رائے تھی اور راکیش تو دل و جان سے چاہتا تھا۔ رینا کی شادی ہریتش سے ہو جائے۔ اس نے ایک دفعہ اپنے والدین کے سامنے یہ تجویز رکھی بھی تھی۔ مگر انھوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ ابھی رینا کم از کم بی اے تو کر لے۔ راکیش بول اٹھا تھا۔

" ڈیڈی ابھی ہم کونسی شادی کر رہے ہیں۔ اگر بات پکی ہو جائے تو کیا ہرج ہے۔ ہریتش کہا کرتا ہے کہ ابھی اس کو کم از کم پانچ سال اور شادی کے جنجال میں نہیں پھنسنا۔" راکیش نے کہا۔ "یو تو مناسب نہیں کہ منگنی ابھی کی جائے۔ پانچ سال کا عرصہ اس لحاظ سے کافی بڑا ہوتا ہے بیچ میں سو طرح کے حالات بدلتے ہیں۔" ڈیڈی بولے۔

" نہیں ڈیڈی نہیں۔ میں ہریتش کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ وہ زبان دے کر کبھی نہیں مکر سکتا۔"

" اچھا بیٹا سوچیں گے۔" دلباغ رائے اس موضوع کو اس وقت ختم کرتے ہوئے بولے۔

اور ہریتش! وہ تو رینا کا والہ اور شیدا تھا۔ دل ہی دل میں اس کی پوجا کر رہا تھا۔ مگر حرف مدعا زبان پر لانے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ دل ہی دل میں کبھی کبھی اپنے آپ کو گنہگار بھی سمجھنے لگتا۔ سوچنے

لگتا کہ اپنے دوست کی بہن کے متعلق ایسے خیالات کو دماغ میں جگہ دے کر
شاید وہ کوئی پاپ کر رہا ہے۔ مگر اس پگلے کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ محبت
کی نہیں جاتی۔ ہو ہی جاتی ہے کوئی دبے پاؤں چور کی طرح دل کے کاشانے
میں داخل ہوتا ہے اور سب کچھ لوٹ کر چلا جاتا ہے۔ لٹنے والے کو
اس وقت پتہ چلتا ہے جب اس کا سب کچھ لٹ چکا ہوتا ہے۔ رینا کو
دیکھ کر ہریش کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ اس کے تمام جسم پر ایک رعشہ
سا طاری ہو جاتا تھا۔ اور اس کی آنکھیں چاہا کرتیں تھیں کہ رینا کے سرا
پا پر سے ہٹنے کا نام ہی نہ لیں۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ رینا کو دیکھ کر اس کی
آنکھیں جھک جاتیں تھیں۔ کبھی بھی آنکھیں ملا کر اس نے رینا سے باتیں
نہ کیں تھیں۔

اب تک راکیش نے کبھی اس موضوع پر ہریش سے کوئی بات
چیت نہ کی تھی۔ راکیش کا خیال ضرور تھا کہ ہریش رینا کے ساتھ شادی
سے کبھی انکار نہ کرے گا۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ وہ رینا سے پیار بھی کرتا
ہو۔ مگر اب تک صحیح طور پر اسے اس سلسلے میں کچھ نہ معلوم ہو سکا تھا
اگر کسی وقت راکیش ہریش سے رینا کے بارے میں سوال کرتا تو وہ یہی
جواب دیتا کہ رینا حقیقتاً ایک بہت اچھی لڑکی ہے۔ سُندر ہے ذہین ہے
اور کہ وہ شخص واقعی خوش قسمت ہوگا۔ جس نے رینا جیسی لڑکی بطور
بیوی کے ملے گی۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی راکیش نے ہریش سے
رینا کی شادی کے بارے میں اب تک دو ٹوک بات نہ کی تھی اور
اس لئے اسے اس کا عندیہ نہ معلوم ہو سکا تھا۔

رہی رینا تو وہ ان سب جذبوں سے جو ہریش کے اس کے تئیں

تھے بے خبر تھی۔ اس نے کبھی بھول کر بھی ہریش کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہ سوچا تھا کہ وہ اس کے بھائی کا دوست ہے۔

مگر آج وہ کسی اور سے متعلق بہت کچھ سوچے جا رہی تھی۔ سوچ کا سلسلہ تھا کہ ختم ہونے کو ہی نہیں آتا تھا۔ اب رات ہو چکی تھی اور لوگ اپنے اپنے بستروں پر دراز خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے کانسٹیبل کی سیٹی کی آواز جو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد فضا کو چیرتی ہوئی نکل جاتی کے علاوہ عجیب ہو کا عالم تھا۔ رینا اپنے نرم و گداز بستر پر دراز چھت کی طرف متواتر تکے جا رہی تھی۔ اس کے کمرے کا بجلی کا بلب ابھی تک روشن تھا۔ آخر اٹھ کر اس نے ایک گلاس پانی صراحی سے انڈیل کر پیا اور بتی گل کر دی۔ اس نے تھکے ہوئے سے انداز میں اپنے آپ کو بستر پر گرا دیا اور سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ روٹھی نیند کی رانی کو منانے کی اس نے حتی الامکان کوشش کی مگر سب بے سود۔ روی کی چھبی اس کی آنکھوں سے دور ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ تنگ آکر اس نے پھر سے بجلی کے بلب کو روشن کیا۔ الماری سے مشہور و معروف ناولسٹ شری دت بھارتی کا ناول " چوٹ "، نکالا اور اس کی ورق گردانی شروع کی۔ وہ اپنی سہیلیوں میں اس ناول کی تعریف کرتی نہ تھکتی تھی اور اس سے بیشتر اس کو کئی بار پڑھ چکی تھی۔ مگر آج اس ناول میں بھی اس کا دل نہ لگ سکا۔ لگتا بھی کیسے؟ تخیلی ہیرو کی بجائے آج گوشت پوست کا ایک جیتا جاگتا انسان اس کی زندگی میں جو داخل ہو گیا تھا۔ اور اس کے ہوش و حواس پر چھا گیا تھا۔ کبھی روی کا مسکراتا اور کبھی سنجیدہ چہرہ اس کے سامنے آجاتا

اس کی طرز گویائی جب اس کو یاد آتی تو اس کا جی چاہنے لگتا کہ وہ اس کے پاس بیٹھا رہے اور تمام رات اداکارانہ ڈھنگ سے اس سے محو گفتگو رہے۔ ردی کی آنکھوں کی سحر کاری ابھی اسے بھولی نہیں تھی ان آنکھوں کے جادو میں وہ کھو گئی تھی اور ابھی تک بھی اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی تھی ردی کے مضبوط اور توانا بازوؤں کا خیال آتے ہی اس کو ایسا محسوس ہوتا گویا کہ اس نے اس کو اپنے ان بازوؤں میں جکڑ لیا ہے اور اس کو اس شدت سے بھینچا ہے کہ اس کے جسم کا ہر جوڑ درد کرنے لگا ہے۔ کچھ دیر کے لئے محسوس کرتی کہ ردی نے اپنے لب اس کے لبوں سے پیوست کر دیئے ہیں اور ان کا تمام رس چوس لیا ہے۔ کبھی اپنی باہوں کو ردی کی گردن میں حمائل ہوا محسوس کرتی۔ اس نے ان تمام خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی لاکھ کوشش کی۔ اور اپنے دل کو سمجھانے چاہا کہ اس کا اور اس اجنبی شخص کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ جس کا نہ تو وہ پتہ ٹھکانا جانتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اس کا نام تک تو معلوم نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اس شہر کا رہنے والا ہے یا نہیں پھر کیوں تصورات کی دنیا میں وہ بھٹک رہی ہے۔ اگر اس کا یہی حال رہا تو وہ دیوانی ہو جائے گی۔ آخر کہیں دور گھڑیال نے صبح کے چار بجائے اور پھر اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ نیند کی روٹھی من گئی۔ اور تمام شکوے شکایت بھول کر رینا سے ہم آغوش ہو گئی۔

ردی نے آج کے واقعے کے متعلق آہیش کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ اور وہ کہے بغیر نہ رہ سکا تھا کہ آج وہ اپنا دل ضرور اس دوشیزہ کے پاس چھوڑ آیا ہے۔ رات کو سوتے وقت ردی کبھی کروٹیں پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اور سوچتا رہا کہ آسمان پر رہنے والی پری آج دھرتی پر نجانے کیسے اتر

آئی تھی۔ ریناکا وہ کھویا کھویا سا انداز۔ آہستہ آہستہ ہاتھ اوپر لیجاکر اور
ان کو دراز کر نمستے کہنا۔ اس کی وہ بادامی آنکھیں جس میں مے ارغوانی کے
پیمانے چھلکے جاتے تھے۔ وہ سڈول بازو۔ وہ پورنماشی کے چاند کی چاندنی
میں نہایا ہوا جسم۔ وہ چھوٹا سا نکونی ناک وہ چھوٹے چھوٹے موتی جیسے دانت
وہ کالی گھٹا جیسی زلفیں۔ وہ مسحورکن انداز تکلم اور وہ نقرئی قہقہہ روی کو
رہ رہ کر یاد آتے اور اس پر جادو سا کر جاتے۔

ع دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی۔

وہ رات گئے تک ان سحرکاروں میں کھویا رہا اور پھر نہ جانے کب
اس کی آنکھ لگ گئی۔

....

ساتواں باب

"چودھری صاحب جلدی بھاگو یہاں سے۔ ابھی ابھی سن کر آیا ہوں کہ بڑے تھانیدار صاحب محکمہ آبکاری کے انسپکٹر کو ساتھ لے کر یہاں آ رہے ہیں۔ ان کو کوئی مخبری ہوئی بتلاتے ہیں" ماتا دین نے ہانپتے ہوئے اپنے اکھڑے ہوئے سانس پر قابو پانے کی سعی کرتے ہوئے کہا۔

"ارے تو پھر کونسی قیامت آ گئی؟ ماتو تمہیں معلوم نہیں کہ بڑے تھانیدار صاحب اپنے بڑے یار ہیں۔ ہر ماہ انہیں ایک اچھی خاصی رقم بطور نذرانہ پہنچاتا ہوں" چودھری رام دیال کے لڑکے بشمبر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"بھٹی کم از کم یہ لاہن کے مٹکے۔ بھٹی کا سامان اور کشید کردہ شراب تو ضرور ٹھکانے لگا دینی چاہیئے۔ تھانیدار کوئی نیا بتلاتے ہیں" ماتا دین جو بشمبر کا خاص منشی تھا پھر بول اٹھا۔

"کیا ملک رام دتہ تھانیدار بدل گئے ہیں۔ ابھی دو چار روز ہوئے تب تو میں ان سے ملا ہی تھا۔ جب تک تو کوئی ایسی بات نہ تھی۔ خیر جیسا ہو گا دیکھا جائے گا۔ اب بشمبر بھی قدرے گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

اتنے میں پولیس موقع پر آ پہنچی اور بشمبر کو ہتھکڑی لگا کر گرفتار کر لیا گیا۔ زیر دفعہ ۶۱ پنجاب ایکسائز ایکٹ مقدمہ کی تمام کارروائی مکمل کر لی گئی۔

اتفاق سے اندر کو جو اپنے کھیتوں سے لوٹ رہا تھا پولیس نے ہمراہ لے لیا تھا۔ لاہن کے مٹکے۔ بھٹی کا سامان اور کشید کردہ شراب پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اور اس سلسلے میں جو فرد دات بنائیں تھیں اس پر اندر کے بھی بطور گواہ دستخط کرائے تھے۔ بشمبر کو شک گزرا تھا کہ کہیں اندر نے ہی مخبری نہ کی ہو۔ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ اور دونوں خاندانوں کی پرانی دشمنی کی یاد پھر اس کے دل میں تازہ ہو گئی تھی۔ مگر اندر بیچارہ نہایت سادہ لوح اور سیدھا سادہ انسان تھا اس نے اپنے اندر یہ ہمت نہ پائی تھی کہ پولیس کے ساتھ چلنے سے انکار کر دے۔ اور پھر اس کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ پولیس اس کو بشمبر کے خلاف مقدمے میں گواہ رکھ رہی ہے۔ پولیس نے اسے ساتھ چلنے کو کہا تھا اور وہ بغیر کچھ دریافت کئے ساتھ ہو لیا تھا۔ بشمبر کی موقع پر ہی ضمانت لے لی گئی تھی اور اس نے اندر کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

بشمبر اپنے والدین کا اکلوتا لڑکا ہونے کی وجہ سے بد اطوار بد اخلاق اور بے راہ رو ہو گیا تھا۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا عیب ہو جو اس میں نہ ہو۔ کشید کردہ شراب ٹھیکہ کی شراب۔ چرس کالی کوکین

وغیرہ سب چیزوں کا وہ بیوپار کرتا تھا۔ اپنی اراضی زرعی دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑی ہوئی تھی۔ اور بس تہائی بٹائی پر اکتفا کر لیتا تھا۔ اب رفتہ رفتہ چوری چکاری اور بردہ فروشی کا دھندہ بھی شروع کر دیا تھا شراب نوشی کثرت سے شروع کر دی تھی۔ اور ایک باقاعدہ تنظیم شدہ گروہ کا سردار بن گیا تھا۔ اس گروہ کی غنڈہ گردی صرف اپنے گاؤں تک ہی محدود نہ رہی تھی بلکہ گرد ونواح کے علاقے سے بھی کچھ لڑکیاں اور عورتیں اغوا کر لیکا تھا۔ بشمبر کو دو تین مرتبہ زنا بالجبر۔ اغوا اور آبکاری کے مقدموں میں سزا بھی مل چکی تھی اور اب وہ پختہ کار بن گیا تھا۔ گھر کو جیل اور جیل کو گھر سمجھنے لگ گیا تھا۔ اپنے ہی گاؤں میں اس کے تین چار خفیہ اڈے تھے۔ ایک جگہ ناجائز شراب کشید کی جاتی تھی۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں آج پولیس نے اسے گرفتار کیا تھا۔ دوسری جگہ اشیائے منشا کا ذخیرہ جمع رہتا تھا۔ تیسری جگہ مغویہ عورتیں رکھی جاتی تھیں۔ اور چوتھی جگہ خفیہ مشکیزہ ہوتی تھیں۔ چودھری رام دیال بشمبر کو سمجھا بجھا کر ہار چکے تھے اور اب صبر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ تھانے میں لستہ ب میں بشمبر کا نام موجود تھا۔

چودھری نگیندر موہن کا لڑکا ہریندر مڈل میں دو بار فیل ہو چکا تھا اور اب اس کی تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا تھا۔ اس بات کا چودھری صاحب کو گہرا صدمہ ہوا تھا۔ اب وہ پہلے سے بے پرواہ اور لاابالی قسم کے انسان نہ رہے تھے۔ اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ہریندر کی اٹھ بیٹھ بشمبر کے ساتھ ہے تو ان کے دل پر ایک زبردست گھونسہ لگا تھا پختہ تو نہیں کہا جا سکتا مگر ایسا خیال ضرور ہے کہ بشمبر نے جان بوجھ کر

اپنے انتقامی جذبے کو تسکین دینے کے لئے ہر ہندر کو راستے سے ہٹا دیا تھا اور اپنی ٹولی میں شامل کر لیا تھا۔ چودھری صاحب نے کئی بار ہرنیدر کی بیدوں سے خبر بھی لی تھی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا تھا۔ بشمبر نے اس کو کچھ ایسا سبق پڑھایا تھا کہ وہ اس کے دل سے محو نہ ہو سکا تھا۔ ہرنیدر بھی بے تحاشہ شراب پینے لگا تھا۔

اور پھر ایک روز تو غضب ہی ہو گیا۔ ہرنیدر شراب پی کر گھر آیا۔ اندر کسی ضروری کام کی وجہ سے گاؤں سے باہر گیا ہوا تھا۔ نرشلا بچوں کے ساتھ اپنے کمرے میں محو خواب تھی۔ ہرنیدر سیدھا وہاں پہنچا اور دروازے پر دستک دی۔ نرشلا آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی اور دروازہ کھولا۔ ہرنیدر کو نشے کی حالت میں دیکھ کر اس کے غصے کی انتہا نہ رہی مگر کچھ سوچ کر اس نے چپ کھینچ لی اور بولی۔

"کیا ہے ؟ مجھے کیوں گھڑی بھر بھی چین نہیں لینے دیتے ؟"

"اوہو بھابی۔ تمہیں دیکھ کر تو میں جیتا ہوں۔ تمہارے چین کے لئے تو میں زمین آسمان کو ایک کر سکتا ہوں اور تم، اور تم ہو کہ !!.....!" ہرنیدر نے شراب کے نشے کے زیر اثر کہا۔

"بس بس بڑے آئے زمین آسمان ایک کرنے والے۔ مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے"

"بھابی آج بھیا ابھی تک گھر نہیں آئے کیا ؟" قدرے توقف کے بعد ہرنیدر بولا۔

"کسی کام سے گاؤں سے باہر گئے ہیں۔ امید ہے کل آئیں گے۔"

"بھابی کیا تم میرے لئے اب کھانا بنا سکتی ہو۔ ؟"

"اب اِس وقت کہیں تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔ پتہ بھی ہے اب کیا بجا ہے۔ ابھی ابھی ایک کی گھنٹی ہوئی تھی۔ ایسے لاڈ پیار تو تمہاری ماں ہی کر سکتی ہے اسی کو جا کر جگا لو"۔ ترشلا نے کسی قدر برہم ہو کر کہا۔

"میری اچھی بھابی کیا تم مجھے پیار نہیں کر سکتی۔ میں نے تو کتنی بار چاہا کہ تم سے پیار کی بھیک مانگوں مگر ہمت نہیں پڑی۔ اتنا کہہ کر ہریندر نے ترشلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بس پھر کیا تھا ترشلا نے زمین آسمان سر پر اٹھا لیا گھر کے سب افراد موقع پر پہونچ گئے۔ چودھری صاحب کو جب یہ تمام واقعہ معلوم ہوا تو جھٹ سے اپنے کمرے میں اپنی بندوق لینے کے لئے پہنچے۔ مگر ان کے لوٹنے تک۔ ہریندر کھڑکیاں کود کر کہیں کا کہیں پہونچ چکا تھا۔ اور چودھری صاحب کو پھر ایک گہری چوٹ لگی تھی۔ اس بار ان کی رہی سہی ہمت اور حوصلہ بھی ختم ہو گئے تھے۔ وہ اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ زیادہ نالائق اولاد سے تو تھوڑی ہی بھلی۔ ساری رات انھوں نے کروٹ بدل بدل کر گزاری تھی۔ ساوتری دیوی نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

"اب آپ کو ہریندر کی شادی کر دینی چاہیئے۔ ممکن ہے پھر وہ راہِ راست پر آجائے"۔

چودھری صاحب نے غصے میں بھر کر کہا تھا۔

"ساوتری کیا تم نہیں چاہتی کہ میں اپنی بقایا زندگی کچھ آرام سے گزار سکوں۔ تم بھی آخر میری جان کی دشمن کیوں ہو گئی ہو؟ کیا اندر کی شادی کر کے بھر نہیں پائی۔ اس ہریندر نالائق کو تو میں کبھی نہ کبھی ضرور گولی مار دوں گا۔ یہ ننگ خاندان ہے اس کا مرجانا ہی بہتر ہے۔

"آپ کیسی بدشگنی کی بات منہ سے نکال رہے ہیں۔ کیا کوئی اپنی اولاد

کے متعلق کبھی ایسی باتیں کرتا ہے؟" ماں کی ممتا بول اٹھی تھی ۔

" ساوتری اگر مجھے تمہاری شوہر پرستی اور وفاداری پر اعتبار نہ ہوتا تو میں ضرور کہتا کہ ہربند رمیری اولاد نہیں ہے ۔مگر اب ایسا کہنے سے مجبور ہوں۔ پتہ نہیں یہ کس گھڑی تمہارے پیٹ پڑا تھا ۔"

" بچہ ہے سمجھ جائے گا ۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے ۔ ماں کی ممتا پھر اپنے بچے کے عیبوں کو نظر انداز کر گئی ۔

" یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں اس کی عمر ہی کیا ہے ۔ بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ دیکھنا یہ کیا کیا گل کھلاتا ہے ۔ وہ بدفات بشمبراس کو کہیں کا نہ چھوڑیگا میں جانتا ہوں وہ یہ سب کر کے ہم سے انتقام لے رہا ہے میں اس کو کبھی کسی دن گولی مار دوں گا ۔" چودھری صاحب کا پارہ تیز سے تیز تر ہو گیا تھا ۔

" اچھا اب آپ آرام کیجئے اور سونے کی کوشش کیجئے ۔ اتنا کہہ کر اب ساوتری دیوی نے بتی بجھا دی ۔



آٹھواں باب

"چودھری صاحب ہر بنید رگرفتار ہو گیا ہے ۔ ابھی ابھی پولیس اسے اور بشمبر کو ہتھکڑیاں پہنا کر لے گئی ہے ۔ کیا آپ کو خبر نہیں ؟ پنڈت جے نرائن نے چودھری نگینہ رموہن کے پاس آکر کہا ۔

" پنڈت جی ۔ جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا ۔ مجھے ذرا بھی افسوس اور تعجب نہیں ہے ۔ جب اپنا ہی سونا کھوٹا ہے تو پھر پرکھنے والے کا کیا دوش ؟"
چودھری صاحب نے پنڈت جے نرائن کو حیرت میں ڈالتے ہوئے کہا

" وہ تو ٹھیک ہے چودھری صاحب ۔ وہ آخر آپکی اولاد ہی تو ہے ۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور کیجئے "

" میں کر بھی کیا سکتا ہوں اور کب تک کرتا رہوں گا ؟ ایسا نا ہنجار تو پیدا ہوتے ہی مر جاتا تو بہتر تھا " چودھری صاحب اپنے غصے پر قابو نہ پا سکے ۔

ہر بیندر اور لشمبر وغیرہ کو اغوا اور زنا بالجبر کے مقدمے میں گرفتار کیا گیا تھا۔ بات یوں ہوئی تھی کہ مس رما نو کل گرلس سکول میں ہیڈ مسٹرس کا چارج لینے کے لئے اس موضع میں آئی تھیں جب وہ سٹیشن کی حدود سے باہر نکلیں تو لشمبر کے گروہ کے چند آدمی جن ہر بیندر بھی شامل تھا اسے ملے اس نے ان سے گرلس سکول کی جائے وقوع دریافت کی۔ گروہ کے آدمیوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے مخصوص اشارے کئے اور ہر بیندر اور ماتا دین کو مس رما کے ساتھ یہ کہہ کر روانہ کیا کہ وہ اسے صحیح جگہ پہنچا دیں گے گروہ کے آدمیوں کے پاس ایک جیپ بھی تھی۔ مس رما نے ہر بیندر نے کہا تھا کہ وہ جیپ میں بیٹھ جائے۔ رما نے شروع شروع میں تو کچھ جھجک محسوس کی تھی مگر پھر کچھ سوچ کر اور مطمئن ہو کر وہ جیپ میں سوار ہو گئی تھی۔ جیپ مختلف راستے طے کرتی ہوئی لشمبر کے مخصوص اڈے پر پہنچ گئی تھی۔ وہاں پہنچ کر مس رما کو ایک تہہ خانے میں مقید کر دیا گیا تھا۔ وہ لاکھ روئی تھی لاکھ گڑگڑائی تھی مگر لشمبر اور اس کے آدمیوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگیں تھیں۔ انھوں نے اس کے ساتھ کئی کئی بار منہ کالا کیا تھا۔ پھر تین چار روز بعد پولیس نے اس کو ایک دیگر موضع سے برآمد کیا تھا۔ اس نے پولیس سٹیشن پر تھانیدار صاحب کو تمام واقعے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اور اس طرح بعد تفتیش لشمبر اور ہر بیندر کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔

روی کو بھی اس واقعے کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ آمیش کو لے کر اپنے گاؤں آ گیا تھا اور اس نے دو ڈھائی روپے صرف کر کے ہر بیندر کو ضمانت پر رہا بھی کروا لیا تھا۔ مگر چودھری نگیندر موہن کچھ ایسے دل برداشتہ اور آشفتہ خاطر ہوئے تھے کہ بالکل ہی دل ہار بیٹھے تھے۔ وہ اپنے آپ کو

اس قابل نہ پا رہے تھے کہ گاؤں میں سر اونچا کر کے نکل سکیں۔ ان کو احساس ہو چلا تھا کہ ان کی ناک کٹ چکی ہے۔

اس بار ان پر نہایت شدید قسم کا دل کا دورہ پڑا۔ روی ابھی تک وہیں تھا۔ سب گھر والوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ روی نے فوراً اپنے میڈیکل کالج کے دو مشہور ڈاکٹروں کو تار دے دیا اور فوراً سے پیشتر آنے کے لئے التجا کی۔ اور خود کار لے کر دہلی گیا اور ڈاکٹر شرما اور ورما کو اپنے ساتھ لے کر آیا۔ میڈیکل کالج سے بھی ڈاکٹر سندھو اور بیدی پہونچ چکے تھے۔ اب روی اور اُمیش بھی میڈیکل کالج میں بطور لیکچرار کام کر رہے تھے۔ روی ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے امتحان میں اول آیا تھا اور اُمیش دوئم۔ کالج کے جملہ پروفیسران اور طلبا روی کو دل و جان سے پیار کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر سندھو اور بیدی روی کا تار موصول ہونے پر اپنے باقی کام ادھورے چھوڑ کر فوراً چلنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔
تمام ڈاکٹر تندہی اور صدق دلی سے چودھری صاحب کے علاج میں جُٹے گئے۔ سب اپنی سی کر رہے تھے مگر چودھری صاحب کی حالت میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ کچھ ضروری ہدایات دیکر دہلی والے ڈاکٹر صاحبان واپس چلے گئے تھے۔ مگر ڈاکٹر میڈیکل کالج کے ابھی وہیں تھے اور ابھی ان کا ایک دو روز اور ٹھہرنے کا پروگرام تھا۔ قیمتی سے قیمتی دوائیں دھڑا دھڑ آ رہی تھیں۔ آخر انتھک اور متواتر کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ چودھری صاحب کی حالت قدرے بہتر ہو گئی تھی۔

ابھی ابھی اندر اور نرملا ان کے پاس سے گئے تھے۔ دروازے سے نکلتے ہوئے نرملا نے اندر سے کہا تھا کہ ایسی بھی کیا بیماری ہوئی اب

تک تین ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ اور ابھی نجانے کتنا اور خرچ ہو گا۔
اگر یہی حالت رہی تو میں دکھادوں گی کہ یہ گھر دیوالیہ ہوتا ہے یا نہیں۔ گو
اپنی طرف سے ترشلا نے یہ سب آہستہ سے کہا تھا مگر چودھری صاحب نے سب
سن لیا تھا۔ اندر تو یہ سن کر خاموش رہا تھا مگر چودھری صاحب پر ایک
بجلی سی گری تھی۔ وہ پھر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے۔ پھر ان پر دل
کے دورے کا شدید حملہ ہوا تھا۔ ڈاکٹر حیران تھے کہ حالت اتنی بہتر ہو جانے
کے بعد اب یکایک کیا ہو گیا ہے کہ حالت پھر بگڑ گئی ہے۔ اب وہ بھی مایوس
ہو چلے تھے گو انھوں نے روی کو ابھی اپنی رائے سے باخبر نہ کیا تھا اور
اس کو یقین دلا رہے تھے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ آہیش بیچارہ بھی
نہانا۔ کھانا وغیرہ سب بھول گیا تھا اور روی کی ڈھارس بندھا رہا تھا۔

آج چودھری صاحب کی حالت قدرے اطمینان بخش تھی۔ گو عالم نزع
آن پہنچا تھا۔ مگر شاید انھوں نے سنبھالا لیا تھا۔ انھوں نے گھر کے سب افراد
کو اکٹھا کیا۔ ان کی دونوں بڑی لڑکیاں کملا اور بیملا بھی معہ اپنے خاوندوں
کے آگئیں تھیں۔ جب سب ان کے گرد جمع ہو گئے تو وہ نہایت نحیف اور
کمزور آواز میں گویا ہوئے۔

"مجھے خوشی ہے کہ آج میرا سارا پریوار میرے سامنے موجود ہے۔ میں
اپنی حالت سے بخوبی واقف ہوں۔ دنیا میں سدا کسی کو زندہ نہیں رہنا
اس لئے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو بھی جائے تو دل چھوٹا نہ کرنا اور
بالکل نہیں گھبرانا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے بچوں کے لئے کچھ بھی نہ
کر سکا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ زیادہ بچے پیدا کرنا خود اپنی موت کو
دعوت دینا ہے۔ خیر وہ تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ میں نے اچھی طرح سے

محسوس کر لیا ہے کہ تم بھائی بہنوں کی آپس میں نہیں بنے گی۔ لہٰذا اب مناسب یہی ہو گا کہ تم سب آپس میں بٹوارہ کر لو۔ اب ہندو ایکٹ جانشینی آگیا ہے جس کی رُو سے لڑکیوں کو بھی اپنے باپ کی جائداد میں حصہ ملا کرے گا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ اگر باپ اس امر کی وصیت کر دے تو وہ اپنی لڑکیوں کو اپنی جائداد سے محروم کر سکتا ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں اب تک کملا اور بملا کے لئے کچھ بھی نہ کر سکا ہوں۔ لہٰذا آپ لوگوں کو تمام جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کے ۸ حصے کرنے پڑیں گے۔ ایک حصہ تمہاری ماں کا ہو گا اور سات حصے تم بھائی بہنوں کے برابر ہوں گے۔ میں دوسو ایکڑ نہری اراضی زرعی کا اکیلا مالک رہا ہوں۔ اور اپنے آپ کو کسی بادشاہ سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ مونچھوں پر تاؤ دے کر نکلتا تھا۔ مگر اب تم سب کے حصے میں تقریباً ۲۵، ۲۵ ایکڑ زمین آئے گی۔

یہ سوچ کر میرا دل پاش پاش ہوا جاتا ہے کہ زیادہ اولاد ہونے سے کس طرح زمین جائداد میں کمی واقع ہوتی چلی جاتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمام زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ جائے گی اور پھر شاید ہمارے خاندان کے ایک ایک آدمی کے پاس ایک ایک ایکڑ زمین بھی نہ رہے۔ چونکہ میں اپنے پورے ہوش میں ہوں اور مجھے پورا دھیان ہے کہ میرے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ لڑکے اور لڑکیاں بھی یہاں موجود ہیں اور جو باتیں میں کہنے جا رہا ہوں اپنی سوسائٹی کے اصولوں کے مطابق مجھے کہنے میں عار اور شرم محسوس کرنی چاہیئے۔ مگر میرا عقیدہ دوسرا ہے۔ میرے خیال میں والدین کو اپنے تلخ تجربات اپنی اولاد کے سامنے کھول کر رکھ دینے چاہیئں۔ تو بچو میرا سب سے

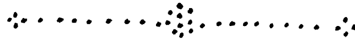
تلخ تجربہ یہی ہے کہ زیادہ اولاد پیدا کرنا اپنے لئے خود گھڑا کھودنے کے مترادف ہے۔ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنا ہے۔ اس لئے میں کہونگا کہ اولاد اتنی ہی پیدا کرنا جتنی کی تربیت تم ٹھیک طرح سے کر سکو اور اپنے بچوں کی بچپن میں شادی کبھی نہ کرنا۔ مجھے اپنے بچوں سے پوری امید ہے کہ وہ بغیر کسی قسم کا جھگڑا کئے اور بغیر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اپنی جائداد کا تصفیہ خود ہی کر لیں گے۔ یہ کوٹھی اندر کے پاس رہنے دینا چونکہ وہ یہاں رہتا ہے اور اس کی قیمت ۲۰ ہزار سے زیادہ کسی حالت میں مقرر نہ کرنا۔ کار اپنے بھائی ردی کو دے دینا۔ بنک میں اب روپیہ ۵۰ ہزار سے زیادہ نہ ہے۔ ہریندر بیٹے ہو سکے تو اپنے آپ کو سدھار لینا۔ لشمبر کی صحبت کو قطعی ترک کر دینا۔ بس صرف اتنا ہی مجھے آپ لوگوں سے کہنا ہے"!
اتنا کہہ کر چودھری صاحب خاموش ہو گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ان کی حالت دگر گوں ہو گئی۔ اور پھر وہ سنبھل نہ سکے۔ آخر سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ مجمع میں کون ایسا شخص تھا جس کا دل یہ المناک خبر سن کر دہل نہ گیا ہو۔ لوگوں کے قافلے کے قافلے نگیند ربھون کی طرف جا رہے تھے اور ہزاروں آنکھیں چودھری صاحب کی یاد میں اشکباری پر مجبور تھیں۔ نگیند ربھون کے در و دیوار تک آنسو بہانے پر مجبور تھے۔ طویلے میں مویشی ماتم کناں تھے۔ تمام گھر میں ایک کہرام سا بپا ہو گیا تھا۔ ساوتری دیوی سینہ کوبی کر کے بیہوش ہو گئی تھی۔ نرشلا۔ کملا۔ بملا۔ ششی۔ اندر۔ ردی۔ ہریندر اور مہندر سبھی رنج و الم کی مکمل تصویر بنے ہوئے تھے۔ وہ سب اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کر سکے تھے۔ چودھری رام دیال بھی نگیند ربھون آن پہنچے

تھے اور دو منٹ کھڑے ہو کر پھر واپس چلے گئے تھے۔ بادلوں نے گرج گرج کر ماتم کیا۔ آخر چرخ نیلی فام سے بھی نہ رہا گیا۔ پہلے اس نے مکمل طور سے کالا ماتمی لباس زیب تن کر لیا۔ پھر اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور رو رو کر سمندر کے سمندر بہا دیئے۔ چودھری صاحب تھے بھی کچھ ایسے ہی، انھوں نے کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا۔ کبھی کوئی ان کے ... سے ناکام و نامراد نہیں لوٹا۔ آخر کچھ دیر بعد اس عظیم شخص کو نذر آتش کر دیا گیا۔

چودھری صاحب کے بچوں نے اپنی زمین اور دیگر جائداد کا بٹوارہ خوش اسلوبی اور بھائی بندی سے کر لیا۔ نگیندر بھون اِندر کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ اور کار ردی کو دے دی گئی۔ ردی اپنے اور ششی کے حصے کی زمین فروخت کر کے اس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اور دو سو روپیہ ماہوار پر ایک فلیٹ لے کر رہنے لگا۔ ششی کو ایک مشہور و معروف لوکل کالج میں داخل کروا دیا۔ ساوتری دیوی اپنے حصے کی زمین فروخت کر کے ہردوار چلی گئی۔ اندر اور ردی نے اس کو لاکھ روکنا چاہا مگر اس کے سامنے کسی کی پیش نہ گئی۔ اس نے کہا کہ جب بھی اس کا جی چاہے گا وہ اپنے بچوں کے پاس آتی رہے گی۔ اگر وہ یہاں رہی تو چودھری صاحب کی یاد اسے ہمیشہ تڑپاتی رہے گی۔ مہندر نے اب میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ ردی کے کہنے پر اپنے حصے کا روپیہ لے کر مزید تعلیم کے لیے انگلینڈ چلا گیا۔ ہریندر کو اغوا اور زنا بالجبر کے مقدمے میں سات سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی۔ سپریم کورٹ

تک اپیل ناکامیاب رہا۔ ہربندر نے بھی اپنے حصے کی زمین بیچ ڈالی تھی اور اسے اپنے حصے کی روپے کے ۱۰ سالہ نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹس خرید لئے تھے۔



نواں باب

آج دیوالی تھی۔ ہندو۔ جین اور سکھ لوگ اس تہوار کو نہایت متبرک
گردانتے ہیں اور بڑے جوش و خروش اور ذوق و شوق سے مناتے
ہیں۔ لوگوں نے طرح طرح کے کھلونوں، تصاویر اور غباروں وغیرہ
سے اپنے گھروں کو سجایا تھا۔ دیواروں پر قلعی اور دروازوں اور
کھڑکیوں پر رنگ و روغن نئے سرے سے کروایا تھا۔ حلوائیوں، برتن
فروشوں۔ تصاویر۔ موم بتیاں اور بارود کا سامان بیچنے والوں کی
آج چاندی ہی چاندی تھی۔ مٹھائیوں کے چھوٹے بڑے پیکٹ ادھر
سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ شام سے ہی بچوں نے
لوگوں کا سڑک پر آنا جانا دوبھر کر دیا تھا۔ جب کبھی ان کو دو چار
آدمی آتے ہوئے نظر آتے وہ بارود کی جلیبی۔ ہوائی جہاز اور دیگر قسم
کے پٹاخوں کو آگ لگا دیتے اور راہ گیروں کے دل ہل جاتے اور ان

کی نظر جھٹ سے اپنے کپڑوں کی طرف چلی جاتی کہ کہیں ان کو آگ نے تو اپنی لپیٹ میں نہیں لے لیا۔

مگر آج لوگوں کو کسی قسم کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ خندہ پیشانی سے ہر چیز برداشت کر رہے تھے اور ناگواری یا غصے کی ایک شکن تک ان کے ماتھے پر نہ آتی تھی۔ مہاجن لوگوں نے اپنی دکانوں پر نئے بہی کھاتے ڈال لئے تھے۔ شام سے ہی گھروں اور دکانوں کی دیواروں پر بجلی کے قمقموں کی جھالریں۔ مٹی کے دیئے جنہیں تیل سے پر کر دیا گیا تھا اور موم بتیاں لگا دی گئی تھیں۔ اب آفتاب بھی دل میں لاکھوں حسرتیں لئے مغرب میں استراحت فرمانے جا رہا تھا۔ اور اس کے چہرے سے مایوسی اور اداسی صاف عیاں تھی۔ اسے اس بات کا بے حد افسوس معلوم ہوتا تھا کہ دیوالی کی اس رات کے چراغاں کا نظارہ نہ کر سکے گا۔ آخر سورج غروب ہو گیا۔ اور رات کی رانی کی حکومت شروع ہو گئی سوئچ آن کر دیئے گئے اور بجلی کے بلب اور ٹیوبیں گہری نیند سے یک لخت بیدار ہو گئے اور اپنی چمک دمک اور آب و تاب سے لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگے۔ مٹی کے جلتے دیئوں کی اپنی ہی نرالی شان تھی۔ قطار در قطار لگے ہوئے دیئوں نے ثابت کر دکھایا تھا کہ وہ کسی بھی طرح بجلی کے قمقموں سے کم نہ ہیں۔ وہ لوگوں کو اپنی خاموش زبان سے بتلا رہے تھے کہ بجلی فیل ہو جانے پر یہ بلب اور ٹیوبیں تو بالکل بے کار ہو سکتی ہیں مگر ہم پھر بھی زندہ رہیں گے۔ چونکہ ہم کسی سائنس کے مرہون منت نہ ہیں۔ ہم سدا ایسے ہی آپ کی سیوا کرتے رہے ہیں۔ اور سدا کرتے رہیں گے۔ ہر شخص لکشمی پوجا کی تیاری کر رہا تھا کہ شاید آج کی رات

اس کے ہی بھاگ جاگ اٹھیں ۔

یہ سب تو تھا مگر گولڈن ٹیمپل صاحب کی شان تو آج بالکل نرالی تھی ۔ وہ تو آج روشنی کا بھنڈار بن گیا تھا ۔ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ گولڈن ٹیمپل کی دیوالی کی رات ایک طرف اور باقی سب جگہوں کی طرف ۔ وہاں کی دیوالی بس دیکھنے ہی بنتی ہے ۔ لوگوں کا جم غفیر گولڈن ٹیمپل کی طرف جارہا تھا اور وہاں سے لوٹ کر بھی آرہا تھا جدھر بھی نظر ڈالئے مرد عورت اور بچے شادمانیوں کا ایک بے پناہ ہجوم اپنے اندر چھپائے ادھر سے اُدھر آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے ۔ وہ اپنے بہترین اور نفیس ترین ملبوسات میں ملبوس تھے ۔

اتنے میں ایک موٹر کار ادھر سے گزری ۔ کار نہایت آہستہ آہستہ چل رہی تھی کہ یکایک اس کی سپیڈ کچھ تیز ہوگئی ۔ بریکس لگا کر اس کو روکنے کی بہت کوشش کی گئی ۔ مگر ایک راہ گیر اس کی زد میں آ ہی گیا ۔ اس کے سر سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے اس کے ساتھ چار پانچ بچے تھے ۔ جو رو رو کر ہلکان ہو گئے ۔ زخمی شخص کو کار کی مالکہ نے پچھلی سیٹ پر لٹایا ۔ اس کے ساتھ اس کی دو سہیلیاں بھی تھیں ۔ ان سے اس نے رخصت چاہی ۔ اور کار ڈرائیو کر کے جھٹ سے میڈیکل کالج پہنچ گئی ۔ اس شخص کا کافی خون نکل چکا تھا ۔ اس کو فوراً ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا ۔ رینا جس کی کار سے یہ حادثہ ہوا تھا اب پہچان گئی تھی ۔ کہ وہی شخص ہے جس کے بچے کو روی نے ٹرائیسیکل دلوایا تھا ۔ اس کو اس حادثے کا حد سے زیادہ

افسوس تھا مگر جو ہونا تھا سو ہو گیا تھا اس نے اس ڈاکٹر سے جو اس شخص کو اٹینڈ کر رہا تھا کہا۔

" ڈاکٹر صاحب کچھ بھی کیجئے۔ اس شخص کی جان ضرور بچا لیجئے۔ روپے پیسے کی بالکل پرواہ نہ کیجئے۔ آپ جتنی رقم کا مطالبہ کریں گے میں دوں گی۔

" میڈم۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ہر مریض کی جان بچانا ہمارا سب سے بڑا دھرم ہے۔ خواہ کوئی امیر ہو یا غریب۔ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ یہاں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے۔ آپ بالکل فکر نہ کیجئے۔ ہم اس کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے"

ڈاکٹر اگنی ہوتری نے جو فن سرجری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جواب دیا۔

ڈاکٹر اگنی ہوتری بلا مبالغہ اپنے فن کے استاد تھے۔ رودی سے ان کو بے حد پیار تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ نوجوان ڈاکٹر کسی دن ہندوستان کا سب سے بڑا ڈاکٹر تصور ہوگا۔ وہ رودی کے طالب علمی کے زمانے سے ہی کوئی اہم اپریشن کرتے وقت اس کو بلا لیا کرتے تھے اور وہ ان کی حسب خواہش ان کی مدد کیا کرتا تھا۔ اب رودی کے لیکچرر بنجانے کے بعد بھی وہ اس کو طلب فرما لیتے اور رودی اس کو ایک بڑا شرف گردانتا۔ مقام حیرت تھا کہ رودی میں بیک وقت جملہ صفات ایک نہایت ہوشیار اور معاملہ فہم سرجن اور فرشتہ صفت بننے کی تھیں۔ رودی کو بلایا گیا اور وہ آپریشن تھیٹر کے باہر رینا کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ رینا نے بھی رودی کو دیکھا اور اس کے تمام جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ

گئی۔ ردی نے کہا۔

"ہلو۔ ارے آپ یہاں! کیا بات ہے آپ بہت پریشان نظر آرہی ہیں"

"مجھ سے انجانے میں ایک حادثہ ہو گیا اور یہ شخص جو ڈاکٹر صاحب کے پاس اندر لیٹا ہوا ہے میری موٹر کی زد میں آگیا۔ آپ یہاں کیا کرتے ہیں رینا نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں یہاں میڈیکل کالج میں ڈاکٹر ہوں۔ آپ بالکل اطمینان رکھئے اور آرام سے تشریف رکھئے۔ ہم اس شخص کو بچانے کی پوری کوشش کریں گے۔ ردی نے رینا کی ڈھارس بندھائی۔

اتنا کہہ کر ردی تیز روی سے ڈاکٹر اگنی ہوتری کے پاس چلا گیا اور فوراً اس شخص کو پہچان گیا۔ ڈاکٹر اگنی ہوتری نے ردی کو تاکید کی کہ فوراً آپریشن کا سامان تیار کیا جائے۔ زخمی کو ابھی تک ہوش نہ آیا تھا۔ نلکیوں کے ذریعے گلوکوز اس کے اندر پہنچایا جا رہا تھا۔ اور خون بھی داخل کیا گیا تھا۔ مگر زخم کاری ثابت ہوئے۔ اور وہ شخص جاں بر نہ ہو سکا۔ رینا کو اطلاع کر دی گئی۔ یہ سن کر وہ چکر کھا کر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ اس شخص کی نعش پولیس کے حوالے کر دی گئی۔ جسنے اسے پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دیا۔ اس شخص کے دو تین پڑوسی اور اس کے دو تین بڑے بچے بھی۔ اب سبھی میڈیکل کالج پہنچ چکے تھے۔ پولیس نے بہت سے آدمیوں کے بیانات لکھے۔ رینا کے ہوش میں آجانے کے بعد اس کا بیان بھی قلمبند کیا۔ حادثہ اتفاقیہ قرار دیا گیا۔ حادثے کو اتفاقیہ ثابت کرنے میں ردی پیش پیش رہا۔ پولیس واپس چلی گئی

رینا کو ہوش آ چکا تھا مگر خوف و ہراس اب تک اس پر غالب تھا۔ روی نے اس کو کار میں بٹھایا اور اپنے فلیٹ پر لے گیا۔ ہسپتال سے ایک دوسرا ڈرائیور ساتھ لے کر رینا کی کار کو بھی اپنے ہی ساتھ لے گیا۔ جب رینا کی حالت بالکل ٹھیک ہو گئی تو پتہ پوچھ کر اس کو اس کے گھر چھوڑ آیا۔

رینا اس رات بالکل نہ سو سکی۔ صبح ہوتے ہی پھر میڈیکل کالج پہنچ گئی۔ اس نے اپنے گھر والوں کو بھی اس حادثے کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا اور وہ یہ سن کر بڑے خوش ہوئے تھے۔ کہ معاملہ رفع دفع ہو گیا ہے۔ روی ابھی ابھی میڈیکل کالج پہنچا تھا۔ آج اسے صرف ایک پیریڈ کے لئے اپنے ڈمی (پوسٹ مارٹم) کے سبجیکٹ پر لیکچر دینا تھا۔ وہ ابھی سٹاف روم میں ہی تھا۔ رینا نے اس کے متعلق ایک میڈیکل سٹوڈنٹ سے پوچھا اور سیدھی سٹاف روم میں جا پہنچی۔ روی رینا کو وہاں دیکھ کر ششدر رہ گیا اور جھٹ پٹ اس کے ساتھ باہر چلا آیا۔ رینا کو اس نے تھوڑی دیر کے لئے کامن روم میں بیٹھنے کو کہا اور پھر اپنی کلاس میں پہنچکر تقریباً ۲۵ منٹ تک پوسٹ مارٹم کے سبجیکٹ پر لکچر دیتا رہا اور پھر کلاس کی چھٹی کر دی۔ پھر وہ فوراً رینا کے پاس پہنچا اور دیر سے لوٹنے کی معذرت چاہی۔ رینا نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ رینا نے اب تک غسل بھی نہ کیا تھا اور اس کی زلفیں بے پرواہی سے ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ وہ نائٹ ڈریس میں ملبوس تھی اور اوپر سے گاؤن ڈالا ہوا تھا۔ رینا کی اس شان بے نیازی کو دیکھ کر روی تڑپ اٹھا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ اُف خدایا کس غضب کا حسن ہے۔ یہ لڑکی

صحیح معنوں میں قاتل ہے اس کے ایک ایک انداز سے سحر اور جادو ٹپکتا ہے۔ وہ گویا ہوا۔
" کہئے آج صبح صبح کیسے تکلیف کی اور وہ بھی اس حالت میں کہ نائٹ ڈریس پہن کر گھر سے نکل پڑیں۔
فرمایئے بندہ کیا خدمت کر سکتا ہے؟"
" وہ کیا بتاؤں؟ میں تو رات بھر سو بھی نہ سکی۔ اب یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئی تھی کہ پھر تو پولیس نہیں آئی۔ پھر تو میرے متعلق کچھ سوال نہیں کئے گئے۔؟
روی اس سادہ لوحی اور معصومیت پر ہزار جان سے فدا ہو گیا اور کہنے لگا۔
" مس صاحبہ۔ وہ معاملہ تو پہلے ہی رفع دفع ہو گیا تھا۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی یہ زیادہ کرید معاملہ پھر سے بگاڑ نہ دے"
" اب میں آپ سے کیا چھپاؤں؟ میرے دل کو تو بالکل بھی قرار نہیں۔ رہ رہ کے یہی خیال آتا ہے کہ کہیں پولیس مجھے پکڑ نہ لے۔
" اجی صاحب۔ اس واقعے کا آپ زیادہ اثر اپنے دل پر نہ لیں۔ ویسے اس زمانے میں دل کا قرار کسی کو بھی حاصل نہیں۔ نہ جانے میرے دل کو بھی کیا ہو گیا ہے۔ کہ ہر وقت، ہر گھڑی اور ہر لمحہ بے قرار رہتا ہے مگر میں نے تو دل کی باتوں پر ہی جانا چھوڑ دیا ہے۔ اس کمبخت دل کی بات مان بھی جائیں تو انسان کہیں کا بھی نہیں رہتا۔ نجانے یہ کب کس پر آجائے اور جس پر آئے وہ رتی بھر بھی پرواہ نہ کرے۔
اب وہ دونوں لارنس روڈ پر کار میں بیٹھے ہوئے جا رہے

تھے۔ کار ردی ڈرائیو کر رہا تھا۔ ریتا ردی کی گفتگو کے لطیف اشارے سمجھ رہی تھی۔ جواباً بولی۔

"آپ صاحب کچھ بھی کہئے۔ میں تو اپنے دل کی بات ضرور مانتی ہوں۔ اور جہاں تک بس میں ہوتا ہے اس کے چاہے کو پورا بھی کرتی ہوں۔ اب دیکھئے کہ اس نے صبح ہی صبح فرمایا کہ میڈیکل کالج چلو اور میں یہاں پہنچ گئی۔ میرے خیال میں آپ کو بھی کبھی اپنے دل کو ناراض نہیں کرنا چاہیئے۔

"تو یوں کہئے کہ آپنے دماغ سے کام لینا بالکل چھوڑ دیا ہے اور آج کل دل سے راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں۔"

"ہاں کچھ کچھ ایسا ہی سمجھ لیجئے۔" یہ جملہ ریتا نے کچھ اس ادا سے کہا کہ ردی تڑپ کر رہ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں ریتا کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ اور اس کو بتلا دیا کہ اس کی ایک ایک بات اس کو کتنی پیاری لگتی ہے۔ ریتا نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔ ردی نے کہا۔

"آپ نے اپنا نام اب تک نہیں بتلایا۔ کیا میں پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟ پتہ نہیں کیوں میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اب ان تمام باتوں کا کچھ نہ کچھ حق ہوتا جا رہا ہے۔"

"مجھے ریتا کہتے ہیں اور میں جانتی ہوں کہ آپ کا نام ردی صاحب ہے۔ اس لئے مجھے اپنا حق بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ردی صاحب نہیں۔ صرف ردی۔ کہو ردی۔ ہاں۔ شاباش۔

"ردی۔ ردی۔ ردی۔ بس اب تو خوش ہو گئے آپ۔"

"نہیں ابھی نہیں۔ یہ آپ واپ اور کہنا چھوڑ دو۔ پھر میں خوش

ہونے کی کوشش کروں گا۔"

"تو گویا آپ کے خیال میں میں بدتمیزی سے گفتگو کرنا شروع کر دوں۔"

"نہیں بدتمیزی سے نہیں۔ ہاں پیار سے ضرور گفتگو کرنا شروع کر دو اور جب پیار سے گفتگو کی جاتی ہے تو یہ آپ واپ کیجئے دیجئے اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔ اب میں تمہیں صرف رینا کہوں گا اور ہاں اگر اجازت دو تو کچھ بھی کہنا شروع کر دوں۔"

"اتنا کہہ کر روی نے کار کو سڑک کے ایک طرف روک دیا۔

اب وہ آبادی سے کافی دور نکل آئے تھے۔ کار سے نیچے اترتے ہی روی نے رینا کو اپنی مضبوط باہوں میں جکڑ لیا۔ وہ کسمسا اٹھی۔ مگر روی کے توانا بازوؤں سے اپنے آپ کو چھڑا نہ سکی۔ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"آپ بھی بڑے وہ ہیں۔"

"پھر غلط۔ بالکل غلط۔ ارے بھئی یہ کہو کہ تم بھی بڑے وہ ہو۔"

یہ سن کر رینا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اور اس کی ہنسی کو روی کے لبوں نے ہی بند کیا۔ روی نے اپنے جلتے ہوئے لب رینا کے لبوں سے پیوست کر دیئے۔ اور رینا نے اپنی گداز بانہیں روی کی گردن میں حمائل کر دیں دونوں نے باتوں کے دوران یہ اقبال کر لیا کہ جنرل مرچنٹس کی دوکان پر ہی وہ اپنے دل ایک دوسرے کو دے چکے تھے۔

دونوں کو رینا کے کار حادثے کا بڑا افسوس تھا۔ روی نے کوشش کر کے بہلوک کے گھر کا پتہ لگا لیا اور اس کی بیوی کو مجبور کر کے دو ہزار روپے نقد دے دیئے۔ اس رقم سے اس نے ایک چھوٹی سی سبزی اور پھلوں کی دوکان کھول لی اور بیچاری سخت محنت کر کے

اپنے بچوں کا پیٹ پالنے لگی وہ بچہ جس کو ردی نے ٹرائسیکل دلوائی تھی اب کچھ قد آور ہو گیا تھا۔ ردی نے اس کو بہت بہت پیار کیا۔ اور اس کی والدہ کو یقین دلایا کہ وقتاً فوقتاً وہ ان لوگوں کا حال پوچھنے کے لئے آیا کریں گے وہ عورت صرف تشکر آمیز نگاہوں سے ہی ردی کی طرف دیکھ سکی اور شکریہ کے الفاظ اس کے ہونٹوں پر آ آکر رہ گئے مگر وہ ان کو زبان سے ادا نہ کر سکی۔ یہ شخص جسے ردی کہتے تھے واقعی پتہ نہیں کس مٹی کا بنا ہوا تھا۔ جب تک حاجتمندوں کے کام نہ آجاتا اسے چین نہ آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ردی کی مدد کئے بغیر یہ خاندان تباہ ہو جاتا۔ عورت شاید اپنی آبرو ریزی پر مجبور ہو جاتی اور بچے بھیک مانگتے نظر آتے ان کو پیدا کرنے والا تو بغیر کوئی انتظام کئے ان کی فکر سے آزاد ہو گیا تھا۔



دسواں باب

روی اور رینا پارک میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ یہ پارک کا ایسا گوشہ تھا جہاں قدرے اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ اس لئے دیگر لوگ اس طرف کا رخ نہ کرتے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ٹھہر ٹھہر کر آتے اور ان کے دل و دماغ کو معطر کر جاتے۔

"رینا۔ تمہارا پیار پاکر میں سمجھتا ہوں کہ مجھ سے خوش قسمت انسان شاید ہی کوئی دنیا میں ہو۔ میرے دل میں بڑی بڑی اُمنگیں ہیں اور اگر تمہارے پیار کا یہ سہارا یونہی بنا رہا تو مجھے امید کامل ہے کہ میری ہر خواہش ضرور پوری ہوگی۔ اور اگر کہیں خدانخواستہ تمہارا پیار زندگی کے کسی مرحلے پر مجھ سے چھین لیا گیا تو میرے لئے یہ دنیا تاریک ہو جائے گی۔ میں بے موت مر جاؤں گا۔ رینا نجانے کیوں مجھے ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی تمہیں مجھ سے چھین کر نہ لے جائے۔ بولو رینا۔ بولو میری

میری رانی۔ کیا تم زندگی بھر میرا ساتھ دے سکو گی؟" روی نے رینا کے گیسوئے عنبریں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"روی شاید تمہیں یقین نہ آئے۔ مگر میں کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ تم نے میرا پیار قبول کر کے مجھ پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے مرنے سے بچا لیا ہے۔ میں بھگوان کی سوگندھ کھا کر کہتی ہوں کہ رینا صرف تمہاری ہے اور تمہاری ہی رہے گی۔ روی اگر ہمارا پیار سچا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتی۔ جذبات اگر صادق ہوں تو بھگوان بھی قدر کرتا ہے؟" رینا نے روی کی ڈھارس بندھائی۔

"کسی نے سچ کہا ہے کہ عورت کی ہر ادا میں ایک جادو ہوتا ہے۔ ایک ایسا جادو رینا جو آدمی کو ہر طرح سے مسحور کر دیتا ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ تمہارے ان الفاظ سے مجھے کتنی تقویت اور حوصلہ ملا ہے۔ اب مجھے بھی یقین ہو چلا ہے کہ ہمارا پیار ضرور اپنی منزل تک پہنچ جائے گا۔

"ہاں روی۔ ضرور ایسا ہی ہو گا۔ میں اپنے بھائی راکیش سے سب کچھ کہہ دوں گی۔ ڈیڈی اس کی بہت مانتے ہیں۔ اور راکیش ہمارا راستہ ہموار کرنے میں ضرور ممد و معاون ثابت ہو گا۔

رینا اگر برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔ کئی دفعہ میں نے یہ بات تم سے کہنے کی ٹھانی۔ مگر حروف زبان تک آ کر رہ گئے۔ کہیں راکیش اپنے دوست ہریش سے تو تمہارے رشتے کے بارے میں نہیں سوچ رہا۔ تم نے مجھے بارہا بتایا ہے کہ وہ دونوں نہایت گہرے دوست ہیں۔

"نہیں روی نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو میرے علم میں ضرور آتی۔

" کبھی بھیا نے کسی ایسی بات کا ہلکا سا بھی اشارہ نہیں کیا۔ اور رہ ریش وہ تو بیچارہ دیوانا ہے۔ کبھی اس نے آنکھ بھر کر بھی مجھے آج تک نہیں دیکھا۔ ہمیشہ جب کبھی باتیں کرتا ہے اس کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوتی ہیں "

" خیر جانے دو۔ تم اس بات زیادہ اثر نہ لینا۔ میں نے تو برسبیل تذکرہ یونہی کہہ دیا تھا۔ اور ہاں تم نے ششی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی کہو کل آرہی ہو نا پھر میرے فلیٹ پر۔ کل اپنے دوست رمیش سے بھی تمہارا تفصیلی تعارف کرا دوں گا۔ کل مجھے صرف ایک پیریڈ لینا ہے۔ اور اس کے بعد میں فری ہوں۔ تم کالج سے سیدھی میرے فلیٹ پر چلی آنا۔ اس کے بعد کسی پکچر وکچر کا پروگرام بنائیں گے "

" اچھا میں ضرور پہنچ جاؤں گی۔ ششی اور آبیش سے ملنے کو میرا بھی بہت جی چاہتا ہے۔ روی سنا ہے تم بہت بڑے زمیندار کے بیٹے ہو "

" ہوں نہیں۔ تھا کہو رینا۔ وہ دن تو اب خواب ہو گئے۔ میرے والد صاحب ۲۰۰ ایکڑ نہری اراضی زرعی کے واحد مالک تھے۔ میکینائزڈ فارمنگ (MECHANISED FARMING) ہونے کی وجہ سے سرپلس میں نہ آئی تھی۔ اب ہم بھائی بہنوں کا بٹوارہ ہونے کے بعد ہم سب کے حصے میں تقریباً ۲۵، ۲۵ ایکڑ اراضی آئی ہے۔ پتا جی نے بستر مرگ پر کتنی صحیح بات کہی تھی کہ کنبہ بڑھتے رہنے سے آدمی کی مالی حالت میں نمایاں فرق پڑتا جاتا ہے۔ رینا ہم صرف دو بچے پیدا کریں گے اور وہ بھی پانچ پانچ سال کے وقفے کے بعد "

" واہ روی واہ تمہارا بھی جواب نہیں۔ ابھی گاؤں بسا بھی نہیں اور منگتے پھر گئے۔ ارے کبھی پہلے شادی تو ہو لینے دو " رینا نے شرم آگیں

لہجے میں کہا۔

"شادی تو رینا اب ہو ہی جائے گی جب تم نے زندگی بھر ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے تو پھر شادی کے راستے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ اور ہاں رینا ابھی ہمیں کم سے کم پانچ سال اور شادی نہیں کرنا۔ میرا عقیدہ ہے کہ کسی بھی نوجوان کو ۲۸ سال اور نوجوان لڑکی کو ۲۰ سال کی عمر سے پہلے ہرگز شادی نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارا پہلا بچہ اس وقت ہوگا جب میری عمر ۳۰ سال کی ہوگی اور دوسرا اس وقت جب میں ۳۵ سال کا ہوں گا۔ اور پھر بس پالنے کو چھٹی اور ہم اور تم دونوں آزاد۔"

"ہاں۔ رِدی۔ ایسا تو ہونا ہی چاہئے۔ ایسی صورت میں ہی مرد اور عورت دونوں کی صحت ٹھیک رہ سکتی ہے۔ اور بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش درست طور پر ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارے ملک میں لوگوں کی ذہنیت کو نجانے کیا ہو گیا ہے۔ میرے پڑوس میں شانتی نانی ایک لڑکی رہتی تھی۔ اس کی شادی چودہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔ اب وہ زیادہ سے زیادہ ۲۱ سال کی ہوگی۔ اور چھ بچوں کی ماں ہے۔ دیکھنے میں اس کی عمر ۳۵ سال سے کم کسی حالت میں بھی معلوم نہیں ہوتی۔ ردی تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ شانتی شادی سے پہلے چندے آفتاب چندے ماہتاب تھی۔ میں خود اس کی خوبصورتی پر رشک کیا کرتی تھی وہ میرے ہی سکول میں پڑھتی تھی اور مجھ سے ۴ سال سینئر تھی اس بیچاری کا کتنا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی کالج میں پڑھے مگر اس کے کہنہ خیالات کے والدین کا عقیدہ تھا کہ لڑکی کی شادی چودہ سال کی عمر میں ضرور کر دینی چاہئے۔ مشرقی لڑکی ہونے کی وجہ سے وہ بیچاری کیا بول سکتی تھی۔ ابھی پرسوں ہی میں اس سے ملی تھی۔ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کو پہچاننا بھی مشکل

ہوگیا ہے۔ وہ جو حسن مجسم تھی اب کافی بھدّی اور موٹی ہو گئی ہے۔ میرے تو
پوچھنے پر کہنے لگی کہ رینا سب کچھ کر لینا بس شادی جلدی نہ کرنا!"

"ہاں رینا۔ ہمارے ملک میں ایک نہیں لاکھوں شانتیوں کا یہی حال
ہے۔ ہندوستان کی بہتر آبادی دیہات میں رہتی ہے۔ اور وہاں کم سنی میں ہی
لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ
لڑکوں کی شادی ۱۴-۱۵ سال کی عمر میں اور لڑکیوں کی ۱۱-۱۲ سال
کی عمر میں کر دی جاتی ہے۔ اور ایسا تو ۹۵ فیصدی حالات میں ہوتا ہے۔
کہ لڑکوں کی عمر بوقت شادی ۱۷-۱۸ سال اور لڑکیوں کی ۱۴-۱۵ سال ہوتی
ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ۳۴، ۳۵ سال کی عمر میں وہ دادا۔ دادی
اور نانا۔ نانی بن جاتے ہیں۔ ۵۵، ۶۰ کی عمر تک پڑ دادا۔ پڑ دادی۔
اور ۷۰، ۷۵ سال کی عمر تک سڑ دادا اور سڑ دادی بن جاتے ہیں اور یہ
سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ ہمارے ملک میں آبادی میں غیر محسوس طور پر
کئی گنا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ آج کل عمدہ قسم کی انگریزی اور دیسی دوائیوں
کے ایجاد ہو جانے کی وجہ سے کافی سے زیادہ لوگ عمر طبعی کو پہنچ جاتے ہیں
اگر ہم اس بات کا مصمم ارادہ کر لیں کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم لڑکوں کی شادی
۲۸ سال کی عمر سے پہلے اور لڑکیوں کی شادی ۲۲ سال کی عمر سے پہلے نہ
کریں گے اور اس کے بعد کم سے کم ۵ سال کے وقفے کے بعد صرف دو بچے
پیدا کریں گے۔ تو ہم دیکھیں گے کہ ہمارے ملک کی یہ بڑھتی ہوئی آبادی
کس طرح قابو میں آتی ہے اور اگر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا تو ظاہر ہے کہ
اگلے ۲۵، ۳۰ سالوں میں ہمارے ملک کی آبادی ایک ارب یعنی ۱۰۰
کروڑ ہو جائے گی۔ پھر اور دھات کا زمانہ لوٹ آئے گا۔ کافی سے

زیادہ لوگ ننگ دھڑنگ پھرتے نظر آئیں گے۔ لوگوں کے پاس رہنے کے لئے مکان۔ پہننے کے لئے کپڑا، اور کھانے کے لئے اناج ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا۔ اگر حالات پر قابو نہ پایا گیا تو ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے صرف جانوروں کو ہی نہیں بلکہ انسانوں کو بھی مار کر کھانے لگیں۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہو گی۔ نظم ونسق درہم برہم ہو جائے گا۔ ہر جگہ افراتفری کا دور دورہ ہو گا۔ انتشار اور بے چینی کی حکومت ہو گی۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ تم بھی سوچتی ہو گی کہ روی نے کیسا خشک موضوع چھیڑ دیا۔ اور لیکچر ہی جھاڑنے بیٹھ گیا۔ ہاں تو کل آ رہی ہو نا۔ پھر ہمارے یہاں۔"

"روی موضوع خشک ہو یا تر مگر یہ بات ضرور ہے کہ ہمارے ملک میں اس وقت خاندانی منصوبہ بندی کی اشد ضرورت ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے کا تہیہ ہر کس و ناکس کو کر لینا چاہیئے۔

روی ہر ہندوستانی کا فرض اولین ہے کہ وہ اپنے ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کے لئے جو بھی کچھ کر سکتا ہے ضرور کرے۔

کل چار بجے میں تمہارے فلیٹ پر پہنچ جاؤں گی۔ اچھا اب چلنا چاہیئے کافی دیر ہو گئی ہے۔

"رینا کیا تم واقعی محسوس کرتی ہو کہ دیر ہو گئی ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم ابھی یہاں آکر بیٹھے ہیں۔ نجانے کیوں تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وقت کو پر لگ گئے ہوں۔ اور اس کے برعکس میں یہی جانتا ہوں کہ کل شام کے چار بجے تک کی جدائی کی گھڑیاں کتنی طویل اور لمبی ہوں گی۔"

"یہ تو سب ٹھیک ہے روی۔ تم سے جدا ہو کر میں ہی جانتی ہوں کہ مجھ پہ کیا گزرتی ہے۔ مگر تم ہر وقت۔ ہر گھڑی۔ ہر لمحہ اور ہر پل میرے تصورات کی دنیا آباد کرتے رہتے ہو۔ اور میں اس امید پہ زندہ رہتی ہوں کہ ہمارا پیار ایک دن ضرور کامیابی کا منہ چومیگا اور ہم دونوں ایک ہو جائیں گے۔"

"سچ رینا کیا تم واقعی ایسا سوچتی ہو؟ روی نے جذباتی لہجے میں کہا اور رینا کو اپنی بھرپور گرفت میں لے کر اس نے اس کے ہونٹ چوم لئے۔ پھر وہ دونوں اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

⁘ . . . . ⁘ . . . . ⁘

گیارہواں باب

"ہیلو روی۔ دیکھو میں ٹھیک چار بجے پہنچ گئی ہوں۔ میری وقت کی پابندی کی داد دو۔" رینا نے دروازے میں داخل ہو کر روی کو مخاطب کیا جو خود اپنی نگرانی میں مالی سے پودوں میں پانی دلوا رہا تھا۔ روی نے نظریں اوپر اٹھائیں اور رینا کی سج دھج دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ رینا نے آج سفید جارجٹ کی ساڑھی پہنی تھی اور ایک سفید موتیوں کا ہار اس کے گلے کی زینت تھا۔ سفید رنگ کا ہی ریشمی کپڑے کا بلاؤز زیب تن کیا تھا۔ بالوں کو ایک جوڑے کی شکل میں گوندھا تھا۔ ہونٹوں پہ گہرے سرخ رنگ کی لپ سٹک لگائی تھی اور آج واقعی وہ چودھویں کے چاند کو بھی شرما رہی تھی۔ وہ پھولوں کی رانی اور ستاروں کی ملکہ معلوم ہوتی تھی۔ روی اس کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا اور اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ مالی اسی اثنا میں پودوں کو پانی دے چکا تھا اور اب وہاں سے چلا گیا تھا۔ پھر رینا ہی بولی۔

"کیا بات ہے رُدی یہ تم مجھے یوں کیا دیکھے جا رہے ہو ۔؟"

" ایں " رُدی جیسے خواب سے چونک کر بولا ۔

" ارے بس ۔ بہت ایکٹنگ ڈیکلٹنگ ہو چکی ۔ مجھے معلوم ہے کہ اداکاری میں بڑے بڑے فلمی ہیرو جناب کے سامنے پانی بھرتے ہیں ۔اب پھر سے انسانی جامہ پہن لو ۔ میں نے کہا تھا حضور بڑا دیکھو وقت کی کس قدر پابند ہوں اور ٹھیک چار بجے پہنچ گئی ہوں "

" ہاں صاحب ہاں ۔ یہ تو ہے مگر ہم تو جب جانیں گے کہ بچوں کی پیدائش کے سلسلے میں بھی حضور وقت کا خیال رکھیں گے ۔ اور پھر وہ دونوں کھل کھلا کر ہنس پڑے ۔

" آج یہ حضور کس کے قتل کے درپے ہیں ۔ رُدی نے دوبارہ رینا کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا ۔ رینا شرما گئی اور بولی ۔

" کم از کم آپ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے ۔ آپ بالکل بے فکر رہیں "

" ارے صاحب ایسے قاتل کے ہاتھوں کون نہیں مرنا چاہے گا ۔ یہ تو آپ مجھ پر ظلم کر رہی ہیں "

" رُدی تم بہت باتونی ہوتے جا رہے ہو ۔ تم ضرور مجھے مغرور بنا کر چھوڑو گے "

" اجی صاحب ۔ تکبر بھی تو حسن کی ایک نشانی ہی ہوتی ہے ۔ ایسا ہوا تو بس مزا آجائے گا ۔ تمہارے حسن کو اور چار چاند لگ جائیں گے "

" اچھا بابا میں ہاری ۔ تم سے باتوں میں کون جیت سکتا ہے ؟ اب بند کرو اپنی یہ بکواس "

" سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے "

روی نے ذرا جھک کر ادا کارانہ انداز سے کہا۔ روی کی یہ ادا دیکھ کر رینا ہلکے سے مسکرائی اور روی کو یہ سمجھنے میں کیسی دشواری کا سامنا کرنا کرنا پڑا کہ مسکرا کر رینا نے اپنے اس پیار کا اظہار کیا ہے جو روی کی اس حرکت پر اس کو آ گیا تھا۔

اتنے میں اُمیش اور ششما بھی اندر سے باہر آ گئے۔ اور ان دونوں سے بولے کہ اب اندر بھی چلو گے یا نہیں۔ روی نے رینا سے کہا۔

" بھئی ان سے ملو۔ یہ ہیں مسٹر اُمیش میرے نہایت بے تکلف دوست ہیں میڈیکل کالج میں میرے ساتھ لیکچرار ہیں۔ اور یہ ہیں میری چھوٹی بہن ششما" اور پھر امیش اور ششما نے ہاتھ جوڑ کر رینا کو نمستے کی اور اس نے بھی مسکرا کر اور ہاتھ جوڑ کر نمستے کا جواب دیا اور کہا کہ اس کو ان لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔

روی نے رینا کو اپنا سارا فلیٹ دکھایا۔ اس سے پیشتر بھی ایک بار رینا اس فلیٹ پر آ چکی تھی۔ مگر اس دن وہ بیچاری خوف زدہ حالت میں وہاں لائی گئی تھی۔ اور صبح ہوتے ہی اپنے گھر واپس چلی گئی تھی۔ روی کے فلیٹ میں تین بیڈ روم۔ ایک ڈرائینگ روم۔ ایک اسٹور اور ایک سرونٹس کوارٹر تھا۔ باہر کافی کشادہ لان تھا جس میں روی نے انواع و اقسام کے پھل اور پھول لگوائے تھے اور گھاس کا فرش بھی بچھوا دیا تھا۔ فلیٹ نیا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا اور کمروں میں کافی کھڑکیاں اور روشندان تھے روی اس فلیٹ کا کرایہ دو سو روپیہ ماہوار علاوہ بجلی پانی وغیرہ کے دیتا تھا۔ تمام فلیٹ کا طواف کرنے کے بعد یہ لوگ ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئے۔ میز پر طرح طرح کی مٹھائیاں۔ پکوڑے۔ نمکین۔ سموسے۔ کیک

اچار اور مربے وغیرہ اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ان لوگوں نے خوب جی بھر کر کھایا۔ اور چائے نوش فرمائی۔ چائے کے دوران روی نے اپنے گھر کے تمام حالات رینا کو سنائے اور بتایا کہ کس طرح سشما اس کے ساتھ رہنے کے لئے آگئی ہے۔ امیش نے بھی بتایا کہ کن حالات میں اس کی روی سے ملاقات ہوئی۔ روی نے اس کے کالج کے واقعے کی فیس ادا کی اور وہ نزدیک سے نزدیک تر آتے گئے۔ رینا نے بھی ان لوگوں کو اپنے تفصیلی حالات بتلائے۔ رینا کو جب یہ معلوم ہوا کہ کس طرح روی نے امیش کی فیس ادا کر کے اس کی زندگی کو برباد ہونے سے بچا لیا تو روی کی فراخدلی فیاضی اور دردمندی کی وہ تہہ دل سے قائل ہو گئی۔ اور دل ہی دل میں اس بات کا فخر سا محسوس کرنے لگی کہ اس کا محبوب انسان نہیں فرشتہ ہے۔ امیش کے متعلق بھی اس نے سوچا کہ کتنے صاف دل کا آدمی ہے۔ روی نے جو احسان اس پر کیا تھا اس کو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں بھولتا اور بغیر کسی پس و پیش اور تامل کے ہر کسی کے سامنے کہہ دیتا ہے۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ امیش بھی ایک خوبصورت مرد ہے اور کسرتی جسم کا مالک ہے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ امیش اور سشما ایک دوسرے کی باتوں میں خاص دلچسپی لے رہے تھے اور بار بار نظریں اٹھا کر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تھے۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ سشما کی شکل اپنے بھائی روی سے کتنی ملتی ہے اور کہ وہ بھی کافی سے زیادہ حسین لڑکی ہے۔ سشما اور امیش کو تو رینا کے ملکوتی حسن نے "مجھ سا کر دیا تھا۔ اور وہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ رینا کو پا کر روی کے مقابلے میں خوش نصیب انسان شاید اس دنیا میں کوئی اور نہ ہو گا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں ان دونوں نے اپنی پسندیدگی روی پہ بھی ظاہر کر دی تھی اور روی ان کے اشارے سمجھ کر

صرف مسکرا کر رہ گیا تھا۔

پھر یہ چاروں پروڈیوسر بی۔آر۔ چوپڑہ کی مشہور فلم "نیا دور" دیکھنے چلے گئے۔ روی نے ایک بکس پہلے ہی ریزرو کروالیا تھا۔ فلم کے اختتام پر سب نے دلیپ کمار اور وجینتی مالا کی اداکاری کی خوب دل کھول کر تعریف کی اور فلم کے سنٹرل آئیڈیا کو بھی خوب سراہا اور کہا کہ ہمارے ملک میں کاٹیج انڈسٹری کو بھی خوب فروغ دینے کی ضرورت ہے اور مہاتما گاندھی کا یہ خواب ہمیں ضرور شرمندہ تعبیر کرنا چاہیئے۔ روی بولا۔

"بھئی اس میں کوئی شک نہیں کہ دلیپ واقعی اداری کا شہنشاہ ہے اور دیگر اداکار اس میدان میں اس سے کوسوں پیچھے ہیں۔

وجینتی مالا بھی دلیپ کے ساتھ خوب جچتی ہے اور ٹھوس اداکاری کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔"

سب نے روی کی اس بات کی تائید کی اور پھر یہ سب لوگ امیش کے اصرار پر اس کے گھر چلے گئے۔ امیش کی ماں کا دل ان کو دیکھ کر باغ باغ اس نے ان لوگوں کو مجبور کر دیا کہ وہ کھانا وہیں کھا کر جائیں۔

کھانے کے دوران اس نے ان کو بتلایا کہ ٹیوشن وغیرہ کی آمدنی ملا کر اب وہ تقریباً ۳۰۰ روپیہ ماہوار کما لیتی ہے۔ اور چونکہ امیش بھی اس کی کچھ مدد کر دیتا ہے۔ اس لئے اب اس کو زیادہ مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اس نے یہ بھی بتلایا کہ امیش کے چھوٹے بھائی سمیش کو جس نے میٹرک پاس کر لیا ہے اس کے سکول کے منیجر صاحب نے پنجاب نیشنل بنک میں ۲۰۰ روپیہ ماہوار کی ملازمت دلا دی ہے اور وہ کل ہی سے کام شروع کرنے والا ہے۔ اس کی ایم۔اے کرنے کی صلاح ہے اور وہ اپنی تعلیم کا

سلسلہ پرائیویٹ طور پر جاری رکھے گا۔ اور پھر ان کے گھر کی حالت اور بھی سدھر جائے گی۔ امیش کی ماں نے ان لوگوں کو یہ تلقین کی کہ وہ تمام شرم و جھجک کو بالائے طاق رکھ دیں۔ ان لوگوں کو بتانا چاہتی ہے کہ وہ شادی کے بعد اتنی ہی اولاد کو جنم دیں جن کی پرورش وہ ٹھیک طور سے کر سکتے ہوں۔ اس نے انگریزی میں کہا کہ "میرے بچو کسی نے سچ کہا ہے کہ (FEWER THE CHILDREN, HAPPIER THE LIFE) اس نے ان لوگوں کو بتلایا کہ اتفاق سے اس نے میٹرک بیسک کا امتحان پاس کر لیا تھا اور اس کو امیش کے پتاجی کی وفات کے بعد ملازمت مل گئی ورنہ ان کا گھر بالکل تباہ ہو جاتا۔ اس کے پتی ویسے تو بی۔ اے۔ پاس تھے مگر لاکھ کوشش کرنے پر بھی ملازمت حاصل نہ کر سکے۔ انھوں نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ بغیر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے شادی کر لی اور پھر بچوں کی پیدائش کا سلسلے میں کوئی روک تھام نہ کی۔ ہر وقت سوچ و فکر میں مستغرق رہتے۔ کڑھتے رہتے۔ اپنے آپ کو کوستے رہتے۔ مگر ارادے کے کچے تھے۔ جو سوچتے تھے کر نہ پاتے تھے۔ ہر وقت کی سوچ و فکر نے آخر ان کو کھا لیا۔ اور ہمیں منجدھار میں چھوڑ کر وہ اس دنیا سے منہ موڑ گئے۔ ان کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ جس سے انسان بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ کسی بھی نوجوان کو اس وقت تک شادی کی بابت سوچنا بھی نہیں چاہیئے جب تک وہ زندگی کے میدان میں اپنے پیر پورے طور سے جما نہ لے۔

امیش نے اپنی ماں سے پوچھا کہ شمش کہاں چلا گیا ہے؟

اس کی ماں نے جواب دیا کہ اس بے چارے کو معلوم نہیں تھا کہ تم سب آج یہاں آ رہے ہو ۔ وہ مجھ سے پوچھ کر نائٹ شو دیکھنے چلا گیا ہے ۔ اس کے بعد امبیش نے اپنی ماں سے کہا کہ آج وہ روی کے یہاں ہی سوئے گا ۔ اور پھر رینا اپنے گھر لوٹ گئی ۔ اور روی ، امبیش اور رشمی فلیٹ پر چلے گئے ۔"



بارہواں باب

راکیش اور ہریش دونوں نے آئی۔ اے۔ ایس کا امتحان دے دیا تھا۔
دونوں کے تحریری پرچہ جات بھی اچھے ہوئے تھے اور انٹر ویو بھی کافی اچھا رہا
تھا۔ اس لئے دونوں ہی پُرامید تھے کہ کامیاب ہو جائیں گے۔ امتحان سے
فراغت کے بعد ہریش نے ایک روز تجویز رکھی کہ اگر وہ سیر و تفریح کے لئے
صحت افزا مقامات کی بلکہ مسوری کا پروگرام بنائیں تو کیسا رہے۔ راکیش
نے اس تجویز کو لبیک کہا اور فوراً چلنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ گو رینا بالکل
نہیں چاہتی تھی کہ وہ راکیش اور ہریش کے ساتھ جائے مگر راکیش کی
ضد کے آگے اس کی ایک نہ چل سکی اور طوعاً و کرہاً اسے بھی ان کے ساتھ
چلنے کے لئے تیار ہونا پڑا۔ رینا کو اپنے محبوب ردی کی ایک لمحہ کی جدائی
بھی گوارا نہیں تھی۔ اور وہ بخوبی جانتی تھی کہ ردی کے بغیر اس سیر و تفریح
کا مزا پھیکا ہی رہے گا۔ وہ کسی بھی بڑی سے بڑی کشش سے بھی محظوظ

نہ ہو سکے گی۔ ابھی تک ردی اور اس کی محبت اس کے گھر والوں پر ظاہر نہ ہوئی تھی اور ربینا نے بھی ابھی یہ نہ چاہا تھا کہ اس کی محبت کا راز اس کے ڈیڈی اور بھائی پر آشکار ہو جائے۔

پروگرام کافی لمبا تھا۔ وہ ہریدوار گئے۔ لچھمن جھولا اور رشی کیش گئے۔ دیرہ دون کی سیر کی اور سہستر دھارا کا بھی نظارہ کیا راکیش ہر جگہ محسوس کرتا رہا کہ ربینا کچھ کھوئی کھوئی سی رہتی ہے اور خاص کر جب وہ ہریش سے باتیں کرتی ہے تو اس کی نگاہیں جھک جاتی ہیں۔ اور ہریش بھی کچھ شرمایا شرمایا سا رہتا ہے۔ اس نے بیشتر ان کو اکیلا بھی چھوڑا تھا کہ وہ آپس میں کھل جائیں اور ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر آ جائیں۔ ان کے شرما کر آپس میں باتیں کرنے سے راکیش کبھی کبھی محسوس کرنے لگتا کہ شاید یہ دونوں ایک دوسرے سے پیار کرنے لگے ہیں۔ بعض اوقات ربینا ہریش سے بحث میں بھی اُلجھ جاتی اور ہر موضوع پر گفتگو کرتی۔ کبھی کرکٹ اور ہاکی کے کھیل کی باتیں ہو رہی ہیں تو کبھی فلم اور فلمی اداکاروں کے چرچے ہو رہے ہیں کبھی موجودہ سیاست پر تبصرے ہو رہے ہیں تو کبھی تعلیم نسواں اور مخلوط تعلیم کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ شادی بیاہ اور خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ بھی زیر بحث آ جاتے۔ گو ربینا ہریش سے شرما شرما کر باتیں کرتی مگر کبھی بھی اس نے ہریش یا راکیش پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ ان کی باتوں میں دلچسپی نہیں لے رہی۔ وہ کئی دفعہ قہقہے لگانے پر بھی مجبور ہو جاتی۔ کئی بار قدرت کے نظاروں میں کھو جاتی اور بول اٹھتی کہ سورج غروب اور طلوع ہونے کا منظر پہاڑوں پر کتنا خوبصورت ہوتا ہے۔ برفیلی

ہوائیں کس قدر دل و دماغ کو فرحت بخشتی ہیں۔ مگر یہ سب ہوتے ہوئے بھی وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہ بھولتی۔ اور ہمیشہ محسوس کرتی کہ اگر روی بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بس مزا آجاتا۔ ہر لطف دوبالا ہو جاتا وہ دونوں ان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں کہیں دور جا کر کھو جاتے اور دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو کر ایک دوسرے کی گود میں سما جاتے۔ بعض دفعہ تو روی کی یاد اس کو اتنا بے قرار کر دیتی کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتیں اور جھٹ سے رومال نکال کر وہ ان آنسوؤں کو جذب کر لیتی مبادا کہ ہریش یا راکیش میں سے کوئی دیکھ نہ لے اور اس کی چوری پکڑ نہ لی جائے۔

وہ ایک مشہور و معروف ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک کمرہ رینا اکیلی کے لئے ریزرو کر الیا تھا۔ اور دوسرے میں راکیش اور ہریش اکٹھے مقیم تھے۔ پروگرام صرف ایک ہفتہ مسوری میں رہنے کا تھا۔

ایک دن وہ بھٹہ نال دیکھنے گئے۔ وہ اس پٹڑی پر چل رہے تھے جو کئی جگہ تو بمشکل ۱½ فٹ چوڑی ہوگی۔ رینا خیالوں ہی خیالوں میں روی کے متعلق بہت کچھ سوچے جا رہی تھی کہ یکایک اس کا پیر پھسل گیا اور وہ گرنے ہی والی تھی کہ ہریش نے کمال پھرتی سے اسے اور پھر اپنے آپ کو بھی سنبھال لیا۔ اگر ہریش ایسا نہ کر پاتا تو ظاہر تھا کہ رینا ہزاروں فٹ گہرے گھڈ میں جا گرتی اور پھر شاید اس کے جسم کے پرزے پرزے اڑ جاتے یہ بھی ممکن تھا کہ ہریش بھی ساتھ ہی گر جاتا۔ ہریش کی پھرتی اور ہمت کو دیکھ کر راکیش بھی دنگ رہ گیا تھا۔ اب ہریش نے رینا کو اپنی گود میں اٹھا لیا تھا اور آہستہ روی سے وہ اس کو وہ طویل پٹڑی پار کر کے نیچے لے آیا تھا اور ایک بینچ پر لٹا دیا تھا۔ راکیش اور ہریش کے پوچھنے

بہر رینا نے بتایا کہ اس کو اچانک چکر آ گیا تھا۔ وہ متشکرانہ نظروں سے ہریش کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ اس کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تبلا رہا تھا کہ یہ سب تو اس کا فرض تھا اور پھر اس کے لئے تو وہ آسمان سے تارے توڑ کر لا سکتا ہے آگ اور سمندر میں کود سکتا ہے اور اپنی جان کی بازی لگا سکتا ہے۔ اب راکیش کا شک پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ہیں۔ اور یہ سوچ کر اس کا رواں رواں خوشی سے ناچ اٹھتا تھا۔ وہ سوچتا کہ اس کی بہن کے لئے ہریش سے اچھا لڑکا چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتا۔

اور ایک دن تو راکیش کو کوئی شک ہی نہیں رہا کہ رینا اور ہریش ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ صرف راکیش ہی نہیں بلکہ خود ہریش بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ بات یوں ہوئی کہ راکیش نے غسلخانے میں محو غسل تھا اور یہ اس کی بچپن سے عادت تھی کہ وہ نہانے سے ایک گھنٹے سے قبل فراغت نہ پاتا تھا۔ ہریش ایسے وقت بالکل بور ہو جاتا تھا۔ اب رینا بھی نہا دھو کر ان کے کمرے کی طرف آ رہی تھی۔ اس نے آتے ہی ہریش کو آج کے ہندوستان ٹائمز کا تازہ شمارہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

" لیجئے پڑھئے "

" کیوں کوئی خاص خبر ہے کیا؟ ہریش نے اخبار ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔

" اور تو کوئی خاص بات نہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ فلم ایکٹرس مدھوبالا نے اشوک کمار کے بھائی کشور کمار سے شادی کر لی ہے "

" ارے! مگر چرچے تو اس کی اور دلیپ کمار کی محبت کے تھے "

"ہریش بابو۔ یہ فلمی دنیا ہے یہاں ہر چیز ممکن ہے"

"وہ تو ہے بھئی مگر ہر بات کی کوئی تُک تو ہوتی ہے آخر"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ خیر مجھے بھی کچھ انوکھی سی لگی مدھو بالا کو وینس آف بیوٹی کہا جاتا ہے اور برعکس اس کے کتنے ہی فلمی ہیرو کشور کمار سے کہیں زیادہ خوبصورت ہیں"

"چلو بھئی۔ ٹھیک ہوا جیسا ہوا۔ وہ دونوں جانیں" ہریش بولا۔

"ایک اور خبر سناؤں آپ کو۔ بڑی ٹریجک نیوز ہے۔ ایک ایم۔اے صاحب کی ان کے والدین کی ضد پہ ایک مڈل پاس لڑکی سے شادی کر دی گئی۔ اس بے چاری لڑکی نے ہر ممکن کوشش کی کہ اپنے پتی کو ہر طرح سے خوش رکھے۔ اس نے ٹیوشن رکھ کر گھر پڑھنا بھی شروع کر دیا اور محنت اور حوصلے سے کام لے کر آخر میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔ مگر پتی مہاشئے کی پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ ان کی شادی سے قبل کسی لڑکی سے محبت تھی اور اس کو انھوں نے اپنے گھر بلانا شروع کر دیا۔ عورت بیچاری پھر بھی سب کچھ برداشت کرتی رہی مگر اس کے مجازی خدا اس بات پہ اُتارو ہو گئے کہ اس کی موجودگی میں اس لڑکی سے ہر قسم کی نازیبا حرکت کریں۔ آخر تنگ آکر بیچاری پتنی نے خودکشی کر لی۔ یا یوں کہئے کہ اس کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیا گیا"

"واقعی بڑی المناک خبر ہے۔ اگر اس مرد کی شادی اسی لڑکی سے ہو جاتی جس سے وہ محبت کرتا تھا تو اس بے چاری عورت کو مفت میں اپنی جان نہ گنوانی پڑتی۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ ہر ماں باپ کو چاہئے کہ وہ شادی سے پہلے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو اس بات کا موقع ضرور

دیں کہ وہ اپنے ہونے والے ساتھی کو اچھی طرح سے جان سکیں۔ سمجھ سکیں اور پرکھ سکیں "۔

"یہ بات اتنی ضروری نہیں ہے ہریش بابو۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہمارے ملک میں بیشتر شادیاں ایسی ہوتی ہیں کہ شادی سے پہلے پتی اور پتنی ایک دوسرے سے بالکل واقف نہیں ہوتے۔ اور شادی کے بعد ان میں ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ جیسے جنم جنماتر سے وہ ایک دوسرے کے پریمی رہے ہوں۔ ویسے یہ بات بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے کہ اگر شادی سے پہلے کوئی لڑکا یا لڑکی ایک دوسرے سے پریم کرتے ہوں اور ان کے والدین کو اس بات کا علم ہو جائے تو ان کو چاہیئے کہ ان کی شادی میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں "۔

"رینا کیا تمہارا بھی کوئی پریمی ہے"؟ ہریش کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے۔

"اب میں آپ سے کیا عرض کروں؟" رینا سچ مچ شرما گئی اور اس نے اپنی ساڑھی کا پلّو اپنے دانتوں تلے دبا لیا۔

راکیش اب غسلخانے سے نکل رہا تھا۔ اس نے بھی رینا کا جواب سن لیا تھا۔ ان الفاظ نے صرف راکیش کو ہی نہیں بلکہ ہریش کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچ رہے تھے کہ رینا کا پریمی ہریش کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

واپسی پر یہ لوگ دہلی بھی کچھ روز کے لئے ٹھہرے۔ لال قلعہ — جامع مسجد۔ کناٹ پیلس۔ انڈیا گیٹ۔ چاندنی چوک۔ اجمل خاں روڈ جنتر منتر اور بھی بہت کچھ دیکھا۔

واپسی کا سفر انھوں نے نائٹ ٹرین سے کرنے کی ٹھانی۔ سٹیشن پر

پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ گاڑی میں حد سے زیادہ رش ہے۔ ان کو کوئی دقت پیش نہ آئی چونکہ انھوں نے فرسٹ کلاس کے برتھس پہلے ہی ریزرو کرا لئے تھے۔ گاڑی چلنے میں ابھی چند منٹ باقی تھے اور یہ تینوں پلیٹ فارم پر کھڑے لوگوں کی افراتفری دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے کہ اتنے میں ایک سیٹھ صاحب۔ ان کی سیٹھانی بھی اور ساتھ میں سات بچے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ سامان انھوں نے دو قلیوں کے سر پہ لدوایا ہوا تھا اور وہ تیز گامی سے چل رہے تھے۔ ان کے پاس شاید تھرڈ کلاس کے ٹکٹ تھے سیٹھ صاحب کی حالت واقعی قابل دید تھی۔ جلدی کرنے کی وجہ سے وہ نروس ہو گئے تھے۔ بار بار ان کی دھوتی کی لانگڑ نکل جاتی تھی اور وہ گڑبڑا کر رہ جاتے تھے۔ وہ بار بار گھڑی کو دیکھتے اور کہتے کہ بھئی حد ہو گئی۔ او ہری کی ماں جلدی کرو"، ہری کی ماں بے چاری کیا کرتی۔ ہری اور شری کی تو وہ انگلیاں پکڑے ہوئے تھی تین بڑے بچے ساتھ چل رہے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی کی گود میں اس کا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ اور ان کی نینی سب سے چھوٹے بچے کو اپنی گود میں سنبھالے ہوئے تھی۔ آخر قلیوں نے سیٹھ جی کا سامان ایک ڈبے میں رکھ دیا۔ سیٹھ جی کا اصول تھا کہ وہ بچوں کو چھوڑ کر ہمیشہ سب سے پہلے آپ گاڑی میں چڑھتے تھے۔ اب سیٹھ جی بھی گاڑی میں سوار ہو چکے تھے اور تین بڑے بچے بھی چڑھ گئے تھے۔ سیٹھانی جی ان کی گود کا بچہ اور ہری اور شری ابھی نیچے تھے۔ قلی نے ہری اور شری کو بھی آخر اوپر پھینک دیا۔ گاڑی نے سیٹی دی اور سیٹھ جی حد سے زیادہ بوکھلا گئے۔ انھوں نے اپنی نینی کو گالیاں نکالیں اور کہا "اس الّو کی پٹھی، حرامزادی کو نجانے کب عقل آئے گی بس صرف بچے پیدا کرنے کا شوق ہے اور یہ جانتی ہی نہیں کہ ان کو کس طرح

قابو میں کرنے ہیں۔ سیٹھ جی کی گالیاں اور گاڑی کی سیٹی سن کر اب سیٹھانی جی کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ وہ جلدی میں گاڑی پر چڑھنے لگی اور اس کا پیر پھسل گیا۔ گود کا بچہ ان کی گرفت سے نکل کر ریل کی پٹریوں کے نیچے جا گرا اور ایک پتھر سے ٹکرا کر اس معصوم بچے کا بھیجہ پاش پاش ہو گیا۔ اب یہ سارا قافلہ پھر سے گاڑی سے نیچے اترا اور سیٹھ جی اور ان کی پتنی بچے کو مردہ حالت میں دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ بچے کو پٹریوں سے باہر نکال لیا گیا تھا۔ اور لوگوں کا ایک جم غفیر اس جگہ جمع ہو گیا تھا۔ راکیش۔ ہریش اور رینا بھی اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ ہریش سے نہ رہا گیا۔ بول ہی اٹھا۔

نجانے ہمارے بھارت واسیوں کو کب عقل آئے گی۔ اس معصوم بچے کی جان محض ان بیوقوف اور جاہل ماں باپ کی وجہ سے گئی ہے۔ اب دیکھو ان لالہ جی کی عمر بمشکل ۳۰ سال ہو گی اور ان کی اہلیہ محترمہ کی بمشکل ۲۷، ۲۸ سال اور ابھی سے یہ سات بچوں کے ماں باپ بن گئے ہیں اور ہر بچے کی پیدائش کا وقفہ ۲ - ۲½ سال سے زیادہ کسی حالت میں نہ ہو گا۔ ہر روز ایسے حادثات ہوتے رہتے ہیں مگر لوگوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کاش کہ ہمارے بھارت واسی سمجھ سکیں کہ ہماری مکتی اسی میں ہے کہ ہم کم سے کم ۵ سال کے وقفے کے بعد دو یا تین بچے پیدا کریں اور بس!!

راہ کا سفر اس حادثے کی وجہ سے بہت ہی بدمزہ رہا۔

....

تیرہواں باب

ربینا نے کچھ پھلوں اور خشک میووں کی ٹوکریاں کار کی ڈگی میں رکھوائیں اور کار کو تیز ڈرائیو کر کے رووی کے فلیٹ پر جا پہنچی۔ رووی اس وقت شیو کر رہا تھا۔ اور صابن اس نے اپنے گالوں اور ٹھوڑی پر کافی مقدار میں لگایا ہوا تھا۔ ششما باتھ روم میں محو غسل تھی۔

"میں نے کہا حضور۔ آداب عرض ہے!" ربینا نے رووی کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا۔

"آداب عرض۔ لیکن معاف کیجئے گا میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔ آپ کی تعریف؟" رووی نے سنجیدگی کی کمال ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا میں اور کیا میری تعریف۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ دو ہاتھ دو پیر۔ دو آنکھیں۔ دو کان۔ ایک سر۔ ایک ناک اور ایک منہ رکھنے والی ایک لڑکی ہوں۔"

" وہ تو آپ ہیں ہی ۔ میرا مطلب تھا غریب خانے پر کیسے کرم فرمائی کی آپ نے ۔ کیا مجھ سے کوئی کام ہے یا میری بہن شمیما سے ملنا ہے "
روی اب بھی سنجیدہ تھا ۔

" کیا بات ہے روی کیا مجھ سے ناراض ہو ۔ میں جانتی ہوں تم مجھ سے اس لئے ناراض ہو کہ میں اتنے دنوں تک تم سے ملنے کے لئے نہ آسکی ۔ وہ بات یوں ہوئی کہ مجھے راکیش اور ہریش کے ساتھ مسوری جانا پڑا "

" اوہو تو آپ رینا دیوی ہیں ۔ مسٹر راکیش کی بہن اور مسٹر ہریش کی .... خیر جانے دو ۔ ہاں تو آپ کو مسوری جانے کے لئے مجبور کر دیا گیا ۔ ارے بھائی ٹھیک ہی تو ہے مجبوری کے آگے کس کی بس چل سکتی ہے "

" روی یہ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو ؟ یہ میں جانتی ہوں کہ میری جدائی تم پر کس حد تک شاق گزری ہوگی ۔ مگر اب تمہیں یقین آئے یا نہ آئے مگر میں ہی جانتی ہوں کہ میری جان پر کیسی بنی ۔ عجلت نے مجھے اس بات کا موقع ہی نہ دیا کہ سفر پر روانہ ہونے سے قبل تم سے مل سکتی ۔ دو چار خطوط تم کو لکھے مگر تم نے تو شاید جواب دینے کی قسم کھالی تھی اور میں تو تب ہی سمجھ گئی تھی کہ ہمارا روی شاید مجھ سے ناراض ہو گیا ہے " رینا نے اتنا کہا اور پھر اس کی آنکھوں سے ٹپا ٹپ آنسو گرنے لگے ۔

" میں ناراض ہوں یا خوش تمہیں اس سے کیا ؟ تمہیں تو بس اپنی خوشی چاہیئے " روی بات کو طول دینا بھی جانتا تھا ۔

" بس روی بہت ہو چکی ۔ اب تم طعنہ زنی پر اتر آئے ہو یہ مجھے

آج ہی معلوم ہوا کہ غصے میں تمہیں اس بات کا بھی خیال نہیں رہتا کہ کیا بات منہ سے نکالنی چاہیئے اور کیا نہیں؟"

"ہاں صاحب ہاں۔ آپ گولی چلا دیجئے۔ سینے میں خنجر اتار دیجئے۔ چہرے پر چہرہ کالک لگا دیجئے۔ کوئی بات نہیں اور ہمیں ذرا سی بات کہنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ ٹھیک ہے اب یہ حق شاید کسی اور کو ہو گیا ہے۔"

"بس کرو روی۔ اگر تمہیں میری یہاں پر موجودگی کھٹکتی ہے تو میں لوٹ جاتی ہوں۔ میں اب اور زیادہ برداشت نہیں کر سکتی مجھے تم ہزار جوتے مارو تو مجھے قطعاً افسوس نہ ہو گا۔ مگر یہ جو تم مجھے دوسروں سے منسوب کرو۔ یہ مجھے ہرگز ہرگز گوارہ نہیں۔"

"میرے حضور! رفتہ رفتہ سب گوارہ ہو جائے گا۔ آپ کو دوسروں سے منسوب کرنے کے لئے ہی تو یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔"

اب رینا سے مزید برداشت نہ ہو سکا اور وہ واپس جانے کے لئے مڑی۔ روی کے گالوں اور ٹھوڑی پر صابن خشک ہو گیا تھا کیونکہ باتوں کے دوران روی شیو کرنا ہی بھول گیا تھا۔ رینا بمشکل دو چار قدم ہی چلی ہو گی کہ روی نے پیچھے سے آ کر اس کو اپنی بھرپور گرفت میں لے لیا۔ اور پاس پڑے ایک صوفے پر گرا دیا۔ اب رینا کی باری تھی اور وہ خوب اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔ رینا اور روی دونوں کی آنکھوں میں ساون بھادوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔

آخر دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا اور دونوں کی باہیں ایک دوسرے کے گلے میں حمائل ہو گئیں اور پھر سب شکوے مٹے دل کے۔ آپس میں گلے مل کے۔ کے بمصداق وہ اب ہنس ہنس کر باتیں کر

کر رہے تھے۔ ردی نے جھٹ سے شیو کیا اور غسلخانے میں داخل ہوگیا۔
ششما اب غسل سے فراغت پا چکی تھی اور رینا کے پاس آگئی تھی۔ پھلوں
اور میوؤں کی ٹوکریاں اندر منگوالی گئی تھیں۔ اور اب ناشتے کی میز
تیار کی جارہی تھی۔ ناشتے پر کوئی باخاص باتیں نہ ہوئیں۔ ردی نے رینا
کو شام کے چار بجے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور اس کو بتلایا کہ وہ
میڈیکل کالج جائیں گے۔ جہاں آج ایک ریٹائرڈ پرنسپل میڈیکل کالج
کا لیکچر ہے۔ شہر کے تمام معززین کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔ اور میڈیکل کالج
کے پروفیسرز اور طلبا بھی شرکت کریں گے۔ رینا نے ٹھیک وقت پر پہنچنے
کا وعدہ کیا۔ اور پھر ردی اور ششما سے اجازت چاہی۔

ڈاکٹر نیشور سنہا ان ڈاکٹروں میں سے تھے جو خدمت خلق کے لئے اپنے
آپ کو وقف کر دیتے ہیں۔ بطور پرنسپل میڈیکل کالج کا کام کر چکے تھے
مگر تکبر اور غرور ان کو چھو تک نہ گیا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے سے خندہ پیشانی
سے ملتے اور اپنی شیریں زبانی اور خوش خلقی سے ہر ایک کا دل موہ لیتے۔
اب وہ ریٹائر ہو چکے تھے اور اپنے لڑکے گیا نیشور سنہا کے ساتھ رہ
رہے تھے۔ گیا نیشور سنہا ایک مشہور بیرسٹر تھے اور ہزاروں روپیہ
ماہوار کما رہے تھے۔ ڈاکٹر سنہا اپنے گھر پر غریبوں کا علاج مفت
کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہمارے ملک کو اس وقت فیملی پلاننگ
کی اشد ضرورت ہے اور اپنے اس عقیدے کو عوام میں نشر کرنے
کے لئے وہ ملک کے میڈیکل کالجوں اور ہاسپٹلوں میں جاکر لیکچر دیا
کرتے تھے۔ اور کبھی کئی موضوعات پر وہ اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتے
تھے۔ اور ڈاکٹروں کو تلقین کیا کرتے تھے کہ ان کا فرض اولین ہے کہ وہ

اپنے ملک کے لوگوں کی بے لاگ سیوا کریں ۔

آج میڈیکل کالج کے ہال میں پروفیسرز طلبا اور طالبات کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا تھا۔ شہر کے رؤسا ۔ تجار ۔ وکلا اور دیگر شعبوں کے لوگ بھی بھاری تعداد میں جمع ہو گئے تھے ۔ رَوی اور رینا بھی پہنچ چکے تھے ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر شروع کی اور لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگے ۔ ہزاروں نگاہیں ڈاکٹر صاحب کی طرف مرکوز ہو گئیں اور ہال میں ایک ایسا سکوت چھا گیا جس پر تقریر بھی فدا ہو جائے ۔ قبرستان کی سی خاموشی ہر طرف چھا گئی ۔ ڈاکٹر صاحب اس طرح گویا ہوئے ۔

" یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ گھر کی رونق بچوں کے ہی دم سے ہے ۔ ان کی اچھل کود ۔ دھما چوکڑی ۔ پے درپے شرارت ۔ چیزوں کی توڑ پھوڑ جہاں باعث ناگواری ہوتی ہے وہاں گھر والوں کے لئے تفریح کا سامان بھی مہیا کرتی ہے ۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک ادا پر پیار آتا ہے ۔ اور آپ ان کو چوم لیتے ہیں ۔ اپنے بچوں کو دیکھ دیکھ کر آپ لوگ جیتے ہیں ۔ ان کی ہر جا بیجا ضد پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اگر بچے خوش ہیں تو آپ کی طرب و مسرت کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا ۔ اور اس کے برعکس اگر بچے ذرا سا بھی اُداس ہو جائیں تو آپ بھی بے قرار اور بے چین ہو اٹھتے ہیں ۔ اپنے بچوں کو گود میں لے کر ۔ توتلی زبان میں ان کی پیاری پیاری اور بھولی بھالی باتیں سن کر آپ اپنا بڑے سے بڑا غم تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتے ہیں ۔ آپ اپنے بچوں کو ایک انمول ہیرا تصور کرتے ہیں ۔ ایسا کون باپ ہو گا اور ایسی کون ماں ہو گی جس کی یہ خواہش نہ ہو کہ اس کے ہر بچے کو

ایک اچھی مقدار میں دودھ ملے۔ کھانے کے لئے پھل ملیں بڑھیا سے بڑھیا کپڑے پہننے کے لئے ملیں۔ اچھے سے اچھے اور نفیس سے نفیس کھلونے اس کے کھیلنے کے لئے ہوں۔ وہ کچھ بڑا ہو جائے تو بہترین سکول میں اس کو داخلہ ملے۔ بڑا ہو کر وہ بڑا انجینئر۔ ڈاکٹر۔ وکیل۔ جج۔ مجسٹریٹ ڈپٹی کمشنر یا سرکردہ بزنس مین بنے۔ مگر سوچنے سے ہی تو سب کچھ نہیں ہو جایا کرتا۔ ہر خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کچھ سادھن کچھ ذرائع چاہئیں۔ اگر آپ کے پاس تھوڑے بچے ہیں صرف دو یا تین بچے ہیں تو آپ کی خواہش پوری ہونے میں کچھ زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی اور آپ کسی نہ کسی طرح اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کر سکیں گے۔ مگر اس کے برعکس اگر آپ کے پاس بچّوں کا ریوڑ کا ریوڑ ہے تو آپ جانتے ہیں کہ آپ کسی بھی بچے کی تعلیم و تربیت پر دھیان نہ دے سکیں گے اور آپ مجبور ہو جائیں گے کہ ہر بچے کو اس کی قسمت کے حوالے کر دیں۔ کسی بچے کو اس کے بار بار امتحان میں فیل ہو جانے سے پڑھائی سے اٹھالیں گے۔ کسی کو سرے سے سکول میں داخل ہی نہ کرائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

ہر کنبے کی آمدنی محدود ہوتی ہے۔ اور اسی حساب سے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ برے وقت کے لئے بچوں کی شادی کے لئے اور آئندہ مشکلات کے لئے کچھ نہ کچھ بس انداز بھی کرنا پڑتا ہے۔ جب آپ کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے لئے ہر چیز کا انتظام کرنے میں آپ کو چنداں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس کو دودھ پھل اور وٹامنز صحیح مقدار میں آپ مہیا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ دوسرا بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے بچے کے دودھ پھل وغیرہ میں کمی آجاتی ہے اور نہ ہی دوسرے

بچے کو صحیح مقدار میں یہ چیزیں دستیاب ہو سکتیں۔ اور پھر کئی بچوں کے لگاتار پیدا ہونے سے صورت حال یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ ہر بچے کو چائے پر ہی گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ پھلوں کی شکل تک دیکھنا ان کو نصیب نہیں ہوتا چونکہ ہر بچے کی عمر میں بمشکل ایک سال کا فرق ہوتا ہے لہٰذا ان کو ایک دوسرے کے کپڑے پہننے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

آج کل ہمارے ہندوستان میں کمر توڑ مہنگائی ہے۔ گھی۔ دودھ اور پھلوں کا فقدان ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ کہاں تک یہ مناسب ہے کہ ہم بغیر سوچے سمجھے بچے پیدا کرتے رہیں اور یہ سمجھتے رہیں کہ بچہ تو بھگوان کی دین ہے ۔ جس نے پیدا کیا ہے وہی اس کی روزی کا بھی انتظام کرے گا۔ بزرگ و برتر پرماتما کی حقیقت سے بھلا کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ مگر پیدا کرنے والے نے ہر انسان کو سوچنے۔ سمجھنے اور پرکھنے کے لئے عقل بھی عطا کی ہے۔ اسی عقل کی بدولت آج انسان نے یہاں تک ترقی کر لی ہے کہ اب بچوں کی پیدائش حسب ضرورت بڑی آسانی سے اور بغیر ضرر رسانی کے روکی جا سکتی ہے۔ آپ کسی بھی فیملی سینٹر میں جایئے اور وہاں آپ کو کئی طریقے بتلائے جائیں گے۔ جن پر عمل کر کے آپ اپنے گھر کو جنت کا نمونہ بنا سکتے ہیں۔ آپ کوالٹی کو کوانٹٹی پر ترجیح دیجئے۔ دو تین بچوں کی نشو و نما آپ صحیح طور پر کر سکتے ہیں۔ ان کو آپ دودھ۔ پھل۔ گھی اور وٹامن پورے طور سے مہیا کر سکتے ہیں۔ جس سے وہ صحت مند۔ تنومند اور ذہین بنیں گے اور یہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ "تندرستی ہزار نعمت ہے" دو تین صحتمند بچے ۱۰، ۱۲ لاغر اور کمزور بچوں سے کہیں زیادہ اچھے ہیں۔

مجھے کئی بار دیہاتوں میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میرے بھائی عموماً یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ خاندانی منصوبہ بندی کو اپنائیں گے تو پھر وہ فوج میں بھرتی ہونے کے لئے آدمی نہ بھیج سکیں گے اور اس طرح اپنے دلیش کی سیوا سے محروم رہ جائیں گے۔ اور یہ کہ ان کو اپنی کھیتی میں مدد نہ مل سکے گی۔ یہ محض خام خیالی ہے۔ یہ کہاں ضروری ہے کہ ہر گھر سے تین چار آدمی فوج میں جائیں۔ آج کل صحیح خوراک نہ ملنے اور مناسب نشوونما نہ ہونے کی وجہ سے ہم فوج میں وہ مستعدی نہیں بھیج پا رہے جو پہلے بھیجا کرتے تھے۔ ایک صحت مند۔ تنومند اور باحوصلہ سپاہی، اکمزور اور لاغر سپاہیوں سے کہیں زیادہ اچھا ہے۔ جہاں تک کھیتی میں مدد کرنے کا تعلق ہے۔ ہمارے دیہاتی بھائی یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک آدمی کھیتی اور کاشت میں مدد کر کے آمدنی کے کتنے حصے کا حق دار ہو جاتا ہے۔ جتنی وہ مدد کرے گا اس سے کہیں زیادہ اسے اپنے لئے اور اپنے بال بچوں کے لئے روپیہ پیسے کی ضرورت ہوگی۔

میرے بہت سے بھائی یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ جتنے زیادہ بچے ہونگے اتنا ہی خاندان کو فروغ ملے گا۔ اور خاندان کی مشہوری ہوگی۔ مگر وہ شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ پھر جنگ و جدل۔ رنز۔ حسد۔ بغض۔ جلن وغیرہ کا بھی جنم ہو جائے گا اور ان کو خوب پنپنے کا موقع ملے گا۔ یہ آپ لوگ اخباروں میں بھی پڑھتے ہونگے کہ زیادہ لوگوں والے کنبے میں کس طرح روزمرہ کشت و خوں ہوتے رہتے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی سی زمین جائداد کے لئے ایک بھائی دوسرے کا خون کر دیتا ہے۔ میرے بہت سے بھائی اس بات کی بھی دوہائی دیا کرتے ہیں کہ اگر فیملی پلاننگ اپنائی گئی تو ہندو جاتی

ختم ہو جائے گی۔ ہر جاتی کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ خوب بچے پیدا کرے تاکہ پھر اس جاتی کی بڑھوتری ہو اور کسی دن وہ سارے ملک پر حکومت کرنے کے قابل ہو جائے۔ کتنا ناقص اور بیہودہ خیال ہے۔ ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہمارا ہندوستان۔ پیارا بھارت ورش ایک ہے جاتیوں قوموں اور صوبوں کی ترقی آدمیوں کی بہتات سے نہیں ہوا کرتی ان کے خیالوں اور وچاروں سے ہوا کرتی ہے۔ اس وقت سارے ہندوستان کو اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے اس سیلاب کو روکا جائے ورنہ یہ اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے جائے گی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری حکومت آزادی کے بعد ہر شعبہ میں ترقی کی ہے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ سڑکوں، سکولوں۔ ہاسپٹلوں اور مکانات وغیرہ کا جال بچھ گیا ہے۔ جگہ جگہ انڈسٹریز کھل گئی ہیں۔ زراعت نے بھی نمایاں ترقی کی ہے لاکھوں بیکار لوگوں کو کام پر لگا دیا گیا ہے۔ مگر پھر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس کی وجہ صاف اور عیاں ہے۔ حکومت بیچاری ۱۰۰ آدمیوں کے لئے انتظام کرتی ہے کہ دوسو اور ضرورتمند پیدا ہو جاتے ہیں اور اور سب کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔

ہمارے ملک پر قدرت ہمیشہ خاص طور سے مہربان رہی ہے۔ اگر ہم بڑھتی ہوئی آبادی کو روک دیں تو پھر ہمیں اپنی غذائی ضروریات کے لئے دوسرے ملکوں کے منہ کی طرف نہ دیکھنا پڑے قدرت کی عطا کی ہوئی نعمتوں کی بدولت پھر ہم اتنا پیدا کر سکتے ہیں جو ہماری ضروریات سے کہیں بھی زیادہ ہو۔ وقت یہ نہیں ہے کہ ہم یہ سوچیں

کہ ہم بنگالی ہیں یا پنجابی۔ گجراتی ہیں یا مرہٹی۔ بہاری ہیں یا مدراسی اور ہمیں اپنے اپنے صوبوں کی آبادی کو بڑھا کر ان کو فروغ دینا ہے بلکہ ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم اولیں و موخریں ہندوستانی ہیں۔ صرف ہندوستانی اور کہ ہندوستان کی ترقی تمہاری سب کی ترقی ہے۔ اور ہندوستان کی ترقی اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہم سب مل کر ایک قوم کے طور سے اٹھیں اور عزم راسخ کر لیں کہ وہ خواہ کچھ بھی ہو ہم صرف دو یا تین بچے پیدا کریں گے اور بڑھتی ہوئی آبادی کے اس سیلاب کو روک کر ہی دم لیں گے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہر نوجوان بلا لحاظ قوم و ملت اور بلا تمیز بود و باش و سکونت اس بات کا پتہ کر لے کہ اسے خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم پر کاربند ہونا ہے۔ قدیم زمانے میں مہابھارت کی لڑائی محض اسی وجہ سے لڑی گئی تھی کہ کورو خاندان کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ اور ان کے لئے اپنے آپ پر قابو رکھنا محال ہو گیا تھا۔



چودہواں باب

ڈاکٹر سنہا نے سامنے میز پر رکھے ہوئے پانی کے گلاس کو اٹھا کر دو گھونٹ پانی پیا اور پھر گلاس کو اپنی جگہ رکھ دیا۔ اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے وہ گویا ہوئے۔

جس گھر میں بچے زیادہ ہوتے ہیں میاں بیوی میں آئے دن ٹھنی رہتی ہے۔ میاں صبح سے شام تک کام کر کے جب گھر لوٹتا ہے تو اس بات کا متلاشی ہوتا ہے کہ گھر میں اسے سکون ملے مگر جب وہ گھر پہنچتا ہے تو بیوی سر پر سوار ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ شیام بے چارہ تین دن سے بخار کی وجہ سے تڑپ رہا ہے اور آپ ہیں کہ آپ کو پرواہ ہی نہیں۔ وہ رام کی سکول کی کتابیں اب تک نہیں آئیں ۔ گھنشیام کے پاس ایک ہی بشرٹ ہے اب وہ بھی تار تار ہو گیا ہے ۔ اب اس کو ننگے بدن ہی سکول جانا پڑ گیا۔ ریکھا کی سکول کی فیس اب

تک نہیں دی گئی ہے۔ رکمنی کو تو آپ نے گھر میں بٹھائے رکھنے کی قسم ہی کھالی ہے۔ ۲۴، ۲۵ سال کی ہو گئی ہے مگر آپ کو اس کے شادی بیاہ کی فکر ہی نہیں۔ کو نیا ضد کر رہی ہے کہ وہ کالج میں داخل ضرور ہو گی۔ دودھ والے کا بل اب تک نہیں دیا گیا۔ مکان کا چار مہینے کا کرایہ سر پہ چڑھ گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور میاں بے چارہ ان سب باتوں کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے مگر کب تک ٹال سکتا ہے؟ آخر گھر میں ایک کلیشن جنم لیتا ہے اور گھر دوزخ کا ایک نمونہ بن کر رہ جاتا ہے۔ بچوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے بیشتر خاندانوں کا رُواں رُواں قرضہ میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ اور گھر کے مالک کو اقدام خودکشی کی طرف راغب ہونا پڑتا ہے۔

مگر انسان اپنی روش پر چلتا رہتا ہے اور دھڑا دھڑ بچے پیدا کرنا ہی اپنی شان سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ایسا کرنے میں ہی اس کے مردانہ جوہر چھپے ہوئے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ انسان فوراً سنبھل جائے۔

میں نے کشمیر جانے کا پروگرام بنایا اور طے کیا کہ اس خطۂ جنت نشاں کا نظارہ کروں۔ اپنے ایک دوست کو بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر بے چارہ ذرا سا منہ بنا کر بولا۔

"بھائی صاحب۔ اپنی ایسی قسمت کہاں ہے؟ خیر سے ۹ بچوں کا باپ ہوں۔ اگر ان سب کو ساتھ لے جاؤں تو مصارف کا متحمل نہیں ہو سکتا اور سیر کا تمام مزا کرکرا ہو جائے گا۔ اور اگر نہ لیجاؤں تو کہاں چھوڑوں۔ اسی لئے پانچ چھ سال سے پروگرام بنا بنا کر ملتوی کر رہا ہوں۔ اور آپ تو کشمیر تک جانے کی بات کر رہے ہیں۔ میں تو ان

بچوں کی وجہ سے کبھی سینما تک نہیں جاتا۔ ان کو چھوڑ کر جانا برا معلوم ہوتا ہے اور ان کو ساتھ لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک پکچر پر کم سے کم ۳۰ روپے صرف کئے جائیں۔ اتنے زیادہ بچے ہونے کی وجہ سے ہم تو ضروری بیاہ شادیوں تک میں کبھی نہیں جا پاتے اور کتنے ہی دوست اور رشتے دار ناراض ہو گئے ہیں۔ بچوں کو دونوں وقت پاؤ پاؤ بھر دودھ کی چائے بنا کر دینی پڑتی ہے۔ ایک دوسرے کے اترے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں جو جگہ جگہ سے مسک گئے ہوتے ہیں۔ ان کے بڑے سے بڑے بخار کو محض نزلہ زکام اور کھانسی سمجھ کر غفلت برتنی پڑتی ہے سچ تو یہ ہے کہ میرے تو ناک میں دم آ گیا ہے۔ ہر وقت سوچتا رہتا ہوں کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ کاش کہ میں نے پہلے ہی سمجھ لیا کام لیا ہوتا کہ صرف دو یا تین بچوں پر ہی اکتفا کر لیتا"

اب آپ ہی اندازہ لگائیے کہ اس شخص بے چارے کی کیا حالت ہے۔ اور صرف اسی ایک پر کیا موقوف ہے نجانے کتنے ہی ایسے لوگ اپنے آپ کو زندہ درگور تصور کرتے ہیں۔

زیادہ بچوں والی ماں تو بیچاری کو تمام عمر کے لئے قید بامشقت کی سزا ہو جاتی ہے۔ صبح اٹھتے ہی اس کو سکول جانے کے لئے بچے تیار کرنے ہوتے ہیں۔ پھر کھانا تیار کرنا پڑتا ہے۔ برتن وغیرہ صاف کرنے پڑتے ہیں۔ اور اس طرح صبح سے شام تک آنکھوں پر پٹی باندھ کر کولھو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی صحت اور تندرستی بالکل جواب دے دیتی ہے اور ہزاروں امراض اس کو آگھیرتے ہیں۔ ۲۴، ۲۵ سال کے سن میں ہی وہ بوڑھی نظر آتی ہے۔

اور اس کی حالت ناگفتہ بہہ ہو جاتی ہے ۔

میرے بہت سے بھائی کہا کرتے ہیں کہ کبھی کم از کم چار پانچ لڑکے تو ہونے ہی چاہئیں تاکہ ان میں سے کوئی تو عصائے پیری بن سکے ۔ یہ بات آپ لوگوں سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ اس زمانے میں اولاد کس حد تک اپنے والدین کا بوجھ اٹھاتی ہے ۔ ان میں خود اتنی استطاعت نہیں ہوتی کہ اپنے کھانے پہننے کی کفالت کر سکیں ۔ اس لئے ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے کا انتظام کر لے ۔ ایسا کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ پس انداز بھی کرنا پڑتا ہے ۔ اور یہ تبھی ممکن ہے کہ اولاد تھوڑی ہو خرچ کم ہو اور آمدنی زیادہ ۔

ہماری بیشتر آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے اور وہاں کے لوگوں نے اب تک خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم کو اس حد تک نہیں اپنایا ہے جہاں تک ان کو ایسا کرنا چاہئے ۔ اس لئے لازم ہے کہ ہم اپنے دیہاتی بھائیوں کو تلقین کریں کہ خاندانی منصوبہ بندی ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے ان کو ان کے دکھ درد سے نجات مل سکتی ہے ۔ گاؤں والوں کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنے لڑکوں کی ۲۵ سال سے کم عمر میں اور لڑکیوں کی ۲۰ سال سے کم عمر میں شادی ہرگز ہرگز نہ کریں گے ۔ ان کو یہ بات ذہن نشین کرانی ہوگی کہ اگر وہ زیادہ بچے پیدا کریں گے تو ان کی زمین جائداد ایکٹ جانشینی کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ جائے گی ۔ سوسائٹی میں ایک ایسا جذبہ نشوونما پانا چاہئے اور ایک ایسی لہر دوڑ جانی چاہئے کہ زیادہ بچوں والے ماں باپ کی استہزا کی جائے ۔ ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور ان کو

اپنے خاندان سوسائٹی اور ملک کا بدترین دشمن تصور کیا جائے۔

میں نے آپ لوگوں کا بہت سا وقت لے لیا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے چند نے بھی میری باتیں گرہ میں باندھ لیں اور ان پر عمل کیا تو پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ باتیں کس قدر صداقت پر مبنی ہیں۔ اب میں آخر میں کہوں گا کہ میرے بہت سے دوست خیال کرتے ہیں کہ فیملی پلاننگ کی اسکیم کو اپنانا پاپ ہے۔ بھگوان کو ناراض کرنا ہے۔ بچے پیدا ہونا ایک قدرتی فعل ہے اور اس فعل میں رکاوٹ پیدا کرنا قدرت کے کاموں مخل اور مزاحم ہونے کے مترادف ہے۔ پیدا کرنے والا سبکو کھانے کو دیتا ہے۔ کیڑے۔ مکوڑے اور چیونٹیاں بھی اپنا پیٹ بھر لیتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے بچوں کی طرف سے کوئی فکر نہ کرنی چاہیئے۔ خدا بڑا کارساز ہے وہ کوئی نہ کوئی حل اپنے آپ نکال دے گا۔ اس بات سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے کہ خدا بڑا کارساز ہے اور وہ سب کا رازق ہے۔ مگر ہر بچہ آپ پر کچھ حقوق رکھتا ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنے ہر بچے کو مناسب مقدار میں گھی۔ دودھ۔ پھل۔ ادویات۔ کپڑے۔ روٹی وغیرہ مہیا کریں۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو آپ ایک بہت بڑا پاپ کرتے ہیں۔ ایک جاندار کو اس کے جائز حقوق سے محروم رکھتے ہیں۔ خود آپ کی آتما کو قرار حاصل نہیں ہوتا اور آپ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ صرف ایک مالی آدمی کی ہی آتما کو چین نہیں ملتا۔ اگر آپ بچوں کی پیدائش کو حسب حالات روکتے ہیں تو اس سے بھگوان کبھی ناراض نہیں ہوتا بلکہ وہ سوچے گا کہ انسان میری بخشی ہوئی عقل سے کام لے رہا ہے۔

ہمارے بھارت ورش میں ہر سیکنڈ آدھ سیکنڈ میں ایک بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ایک سال میں صوبہ پنجاب یا آسٹریلیا کی آبادی سے بھی زیادہ بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگلے بیس سالوں میں ہماری آبادی ایک ارب کے قریب ہو جائے گی اگر ہم نے آنکھیں نہ کھولیں اور پھر جو کچھ ہو گا آپ بہتر جانتے ہیں۔ اے میرے بھارت واسیو اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ۔" جے ہند۔"

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر ختم کی اور پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ لوگ ایک طرح کے خواب سے جاگ کر اٹھے۔ تقریباً ۵۰ نوجوان ڈاکٹر جن میں لڑکیاں بھی شامل تھیں اپنی جگہ سے اٹھے اور ڈاکٹر سنہا کے پاس پہنچ گئے انھوں نے حلف اٹھا کر کہا "کہ وہ شادی کے بعد دو یا تین بچوں سے زیادہ نہ پیدا کریں گے اور ہر بچے کی پیدائش کا وقفہ کم سے کم پانچ سال ہو گا اور وہ اپنے ملک کے نوجوانوں میں ایک روح پھونک دیں گے۔ کہ وہ بھی ایک مصمم ارادہ کر لیں کہ وہ ضرور فیملی پلاننگ کی سکیم کو اپنائیں گے۔"

ردی اور رینا بھی اس قسم کا حلف اٹھانے میں پیش پیش رہے۔



پندرہواں باب

" ارے ماں تم کب آئیں ؟ اپنے آنے کی اطلاع بھی نہیں دی "۔ ردی نے اپنی والدہ شریمتی ساوتری دیوی کے چرن چھوتے ہوئے کہا۔

" بس ابھی ابھی آئی ہوں بیٹے۔ ششما کہاں ہے ؟ جاؤ پہلے ٹانگے سے میرا سامان اتروالاؤ "۔ ساوتری دیوی نے کہا۔

" ششما کالج گئی ہوئی ہے۔ اچھا ماں میں سامان اتروالاتا ہوں "

" تانگے والے کو دو روپے دے دینا بیٹے "

" اچھا ماں۔ تم بیٹھو۔ میں ابھی آیا "

ردی نے نوکر کو ساتھ لیا اور اپنی والدہ کا سامان تانگے سے اتروا کر لے آیا۔ تانگے والے کا کرایہ بھی ادا کردیا۔ اور پھر اپنی ماں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ نوکر کو جلدی سے پانی گرم کرنے کے لئے کہا اور چائے وغیرہ تیار کرکے لانے کی بھی ہدایت کی۔ ساوتری دیوی نے گرم پانی سے غسل کیا اور پھر

ڈائننگ ٹیبل پر آکر بیٹھ گئیں۔ ردی بھی ماں کے بالمقابل میز پر بیٹھ گیا۔

"ردی اب تو نے اپنی اور ششما کی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے بیٹے۔ ششما کے لئے کوئی اچھا سا لڑکا تلاش کر لیا ہے یا نہیں۔ اور کہیں اپنی بھی شادی کی بات چیت کی ہے یا نہیں۔ بیٹا میں تو بالکل تارک الدنیا ہو گئی ہوں اور گھر گرہست کے چکر میں پڑنا بالکل پسند نہیں کرتی مگر کیا کروں مرہ ممتا بالکل چھٹتی بھی نہیں۔ ساوتری دیوی نے کہا۔

"ماں وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ششما کے لئے لڑکا میری نگاہ میں ہے۔ گو دھن دولت اس کے پاس بہت زیادہ نہیں ہے مگر شریف ہے نیک اطوار ہے۔ میرے ساتھ ہی ڈاکٹری کا کورس پاس کیا ہے اور کسی دن بہت بڑا ڈاکٹر بنے گا۔ تم بھی اسے دیکھ لینا۔ میرا خیال ہے تم اسے ضرور پسند کروگی۔ مگر میرا خیال ہے کہ ابھی کچھ عرصے اور ششما کی شادی نہ کریں اس دوران میں اُمیش بھی مکمل طور سے اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا اور ششما بھی ایم۔ اے پاس کر لے گی۔ اس کی خواہش ہے کہ میجسٹریٹ بنے۔ جہاں تک میری شادی کا تعلق ہے ویسے لڑکی تو ماں میں نے بھی اپنے لئے پسند کر لی ہے۔ مگر شادی ابھی چار پانچ سال اور نہیں کرنا چاہتا۔ ماں بچپن کی شادی کے نتائج نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ اب اپنے اِندر کو ہی لے لو بے چارے نے کیا سکھ پایا ہے۔ ماں کیا تم اندر کے پاس سے ہو کر آرہی ہو؟ اب اس کا کیا حال ہے۔ مجھے تو اس سے ملے بڑے کافی مدت ہو گئی؟"

"ٹھیک ہے بیٹا جو تم کہہ رہے ہو۔ اپنی اور ششما کی شادی جب تم چاہو کر لینا۔ مجھے تمہاری سمجھداری پہ پورا بھروسہ ہے۔ میں اندر کے

پاس سے ہی آ رہی ہوں ۔ اس کی حالت دیکھ کر تو بیٹا بس کلیجہ منہ کو آتا ہے
خون کے آنسو رونے کو جی چاہتا ہے ۔ اس کٹنی ترشلا نے بے چارے کو دق
کا مریض بنا دیا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے برسوں سے بیمار ہو۔ جوانی
میں ہی بوڑھا نظر آتا ہے ۔ ابھی سے آٹھ بچوں کا باپ بن گیا ہے ۔ تمام بچے
گاؤں کی گلیوں میں اس طرح پھرتے رہتے ہیں جیسے لاوارث اور بے آسرا ہوں
تمیز اور تہذیب سے کوسوں دور ہیں ۔ ماں باپ کی حکم عدولی کرنے میں
فخر محسوس کرتے ہیں ۔ یہ سب ترشلا کی ناقص تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے
اندر بے چارہ ہر وقت کڑھتا رہتا ہے ۔ نہ اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال کر
سکتا ہے اور نہ ہی اپنے گھر کو سنبھال پا رہا ہے ۔ کھیت دوسروں کے
رحم و کرم پر چھوڑے ہوئے ہیں اور ان سے گھر کے گزارے لائق بھی آمدنی
نہیں ہو پاتی ۔ بچے ننگ دھڑنگ پھرتے رہتے ہیں ان کے پاس ڈھنگ
سے پہننے کے لئے شاید ایک ایک جوڑی کپڑے بھی نہیں ۔ جہاں کبھی کسی نے
ونا سپتی گھی کا نام تک نہیں سنا تھا وہاں دیسی اور خالص گھی دیکھنے کو
نہیں ملتا ۔ بچے دودھ اور پھلوں کے لئے ترستے رہے ہیں ۔ میں کچھ پھل
اپنے ساتھ لے گئی تھی ۔ بچے ان پر ایسے ٹوٹ پڑے جیسے پھل انھوں نے
زندگی میں کبھی دیکھے ہی نہ ہوں ۔ اندر کو امید نہیں کہ کوئی بھی بچہ انٹرس
تک بھی پڑھ پائے ۔ میرے جاتے ہی میرے گلے لگ کر خوب رویا اور کہنے
لگا ۔ " ماں ان حالات میں میرا پاگل ہو جانا لازم ہے" میں نے ترشلا کو بھی
سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ ایسی لتے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑی کہ بس
پیچھا ہی چھڑانا مشکل ہو گیا ۔ اب بڑا خیال آتا ہے کہ اندر کی زندگی تباہ
کرنے کے ذمے دار میں اور تمہارے مرحوم پتا جی بھی ہیں ۔ نہ ہم اس کی بچپن

میں شادی کرتے نہ اس بیچارے کو ان حالات سے دوچار ہونا پڑتا۔ مگر اب پچھتاوے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ کہہ رہا تھا کہ اپنی دو بڑی لڑکیوں کی شادی کرنے کے لئے اسے کم از کم ایکڑ زمین فروخت کرنی پڑے گی اندر کا لڑکا شنکر سے فائز العقل ہے اور اس کی رائے ہے کہ اسے میڈیکل ہاسپٹل میں بھیج دیا جائے کہہ رہا تھا کہ رو ی اور ششما سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ مگر کیا منہ لے کر ان کے پاس جاؤں۔

" ماں۔ اندر بھیا کی حالت دیکھ اور سن کر میرا اور ششما کا بھی بہت جی جلتا ہے مگر ہم سوائے اس کے کہ روپے پیسے سے اس کی مدد کر سکیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ میں نے کئی بار اس کو لکھا کہ میں جس لائق ہوں ہمیشہ اس کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں موقعہ ملنے پر جلد از جلد اندر بھیا کے پاس جاؤں گا اور اگر ہو سکا تو اس کو مجبور کر کے اس کی حصے کی زمین بیچ کر اس کو یہاں اپنے پاس لاؤں گا اور اس کے لئے کوئی کام یہاں ہی دیکھوں گا "

" ہاں بیٹے۔ اس بے چارے کو اس نرک میں سے نکالنے کی ضرور کوشش کرنا۔ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ کچھ کر نہ بیٹھے۔ یہ زیادہ پریوار اس سے سنبھل نہیں پاتا " ساوتری دیوی بولی۔

اتنے میں ششما اور اُمیش قہقہے بکھیرتے ہوئے اور ہنسی کے فوارے چھوڑتے ہوئے آن پہنچے۔ ششما اپنی ماں کو دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئی اور جامے میں پھولی نہ سمائی۔ وہ تیز گامی سے ماں کے پاس پہنچی اور اپنے آپ کو اس کی گود میں گرا دیا۔ ماں نے بھی بیٹی کو جی بھر کے پیار کیا۔ دونوں ماں بیٹی کی آنکھوں سے آنسو ٹپا ٹپ گر رہے تھے۔ دونوں کافی عرصے کے بعد

ایک دوسرے سے ملیں تھیں اس لئے اندرونی جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں تھیں اور خوشی کے آنسو دونوں کی آنکھوں میں امنڈ آئے تھے۔

روی نے اُمیش کا تعارف اپنی ماں سے کرادیا۔ امیش نے ہاتھ جوڑ کر ساوتری دیوی کو نمستے کہی اور موخرالذکر نے اول الذکر کو آشیرواد دیا۔ روی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی ماں کو تبلا دیا کہ ششما کے لئے اس نے اسی اُمیش کو پسند کیا ہے اور ماں نے بھی اشارتاً اپنی پسندیدگی ظاہر کر دی۔ امیش کے چلے جانے کے بعد ساوتری دیوی نے ششما سے کھل کر بات کی اور اس کا عندیہ معلوم کرنے کی کوششیں کی کہ آیا وہ بھی امیش کو چاہتی ہے یا نہیں ششما محض شرمانے اور خاموش رہنے کے سوائے زبان سے کچھ نہ کہہ سکی اور دور اندیش اور زمانہ ساز ماں نے سب کچھ بھانپ لیا۔ اسے اس بات کا پختہ یقین ہو گیا کہ ششما ضرور اُمیش کو پسند کرتی ہے۔.

اور بات بھی صد فیصد صحیح اور درست تھی۔ امیش اور ششما ایک دوسرے کو دل سے چاہتے تھے اور ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت کا اقرار بھی کر چکے تھے اور روی بھی اس بات کا اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہیں۔ امیش اور ششما گھنٹوں بیٹھے پیار و محبت کی باتیں کرتے رہتے۔ اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے میں کھوئے رہتے اُمیش ششما سے کہا کرتا۔ کہ اس کی ہنسی اسے فنا کر کے چھوڑے گی۔ وہ ششما پر ظاہر کرتا کہ اس کے ہنسنے کا ڈھنگ اتنا پیارا اور دلفریب ہے کہ اس پر جادو سا کر جاتا ہے اور وہ گھنٹوں سحر زدہ سا اس کی

لذت میں کھو یا رہتا ہے۔

ماں سے باتیں کر کے اور ایک سہیلی سے ملنے کا بہانہ کر کے ششما اپنی کار خود ہی ڈرائیو کرتی ہوئی امیش کے پاس جا پہنچی اور اسے یہ مژدہ جانفزا سنایا۔ امیش کارداں رداں خوشی سے ناچنے لگا اور اس نے ششما کو گود میں اٹھا کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ نیچے اتار اس کو اپنی گرفت میں لے کر اس شدت سے بھینچا کہ جیسے اس کا دم ہی نکال کر چھوڑے گا۔ پھر دونوں کے لب ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے۔ اور دونوں پر ایک نشہ آور کیفیت سی طاری ہو گئی۔ امیش نے نہایت جذباتی ہو کر آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر ششما نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے اور کہا کہ ہمیں ابھی کئی سال اور شادی نہیں کرنی اور اس عرصے میں اپنے جنسوانی جذبات پر ہر طرح سے قابو رکھنا ہے۔ امیش بڑا نادم سا ہوا اور اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے محسن اور دوست روی کی بہن کے ساتھ ایک نہایت ذلیل حرکت کرنے والا تھا اور یہ اس کے سفلہ پن کی حد تھی۔ امیش کا سر جھکا ہوا تھا اور ندامت کے آنسو اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔

ششما بھی یہ سب کچھ دیکھ کر سمجھ رہی تھی۔ وہ بولی" امیش محبت کرنا کوئی گناہ یا پاپ نہیں ہے مگر محبت کا مطلب یہ ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ اس کی آڑ میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ ڈھونڈیں۔ اسے تو پھر ہوس کہا جائے گا۔ مگر آج تم جو کرنے والے تھے اس میں تمہارا ذرا سا بھی قصور نہیں ہے۔ تم جذبات سے مغلوب ہو گئے تھے اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے۔ مگر میری ذرا سی مزاحمت کرنے

پر تم فوراً سنبھل گئے اور جلد ہی اپنے فرض کی دنیا میں لوٹ آئے۔ اُمیش یہ سب ثابت کرتا ہے کہ تم نہایت اونچے کیریکٹر کے شخص ہو۔ تمہارا لغزش کی طرف قدم بڑھانا عین قدرتی اور فطری فعل تھا۔ مگر عین وقت پر اس قدم کو واپس ہٹا لینا ایک عظیم شخص کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ آج میرے دل میں تمہاری عزت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"تو کیا ششی تم نے مجھے معاف کر دیا؟"

"ارے بھئی میں نے معاف کر دیا۔ میرے فرشتوں نے معاف کر دیا۔"



سولھواں باب

آئی ۔ اے ۔ ایس کے امتحان کا نتیجہ بر آمد ہو گیا تھا ۔ ہریش نے ساتویں پوزیشن اور راکیش نے اکیسویں پوزیشن حاصل کی تھی ۔ دونوں ہی منتخب کر لئے گئے تھے اور اب ٹریننگ کے لئے منصوری جانے والے تھے رینا نے روی کو بھی یہ خوشخبری سنا دی تھی اور اس نے رینا کو مبارکباد دی تھی ۔

دلباغ رائے ایگزیکیٹیو انجینئر کا معمول تھا کہ وہ ہر سال اپنی شادی کی سالگرہ مناتے تھے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اپنی اہلیہ شریمتی پوجا دیوی سے بہت زیادہ پیار تھا ۔ پوجا دیوی بھی اپنے پتی کو حد سے زیادہ چاہتی تھیں ۔ دلباغ رائے اکثر اپنے بے تکلف دوستوں سے کہا کرتے تھے کہ شادی کی سالگرہ ان کو ان کی سہاگ رات کی یاد دلاتی ہے ۔ اور وہ خوشگوار ماضی کی رعنائیوں میں کھو جاتے ہیں ۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اپنی شادی

کی سالگرہ کے دن وہ محسوس کرتے ہیں کہ ابھی وہ جوان ہیں اور بڑھاپا ان کے پاس تک نہ بھٹکا ہے۔

امسال وہ اپنی شادی کی پچیسویں سالگرہ یعنی سلور جوبلی منارہے تھے۔ اس لئے وہ اس کو بڑے کرّ و فر و تزک و احتشام سے منانے کے خواہاں تھے۔ باقاعدہ انویٹیشن کارڈز چھپوائے گئے تھے۔ دلباغ رائے صاحب نے اپنے سبھی دوستوں اور رشتہ داروں کو مدعو کیا تھا۔ جن میں مقامی لوگ بھی شامل تھے اور باہر سے بلوائے گئے لوگ بھی تھے۔ لوکل آفیسرز کو بھی دعوت دی گئی تھی اور رینا اور راکیش کے دوستوں کو بھی انویٹیشن کارڈز بھیجے گئے تھے۔

آج سالگرہ منائی جارہی تھی۔ دلباغ رائے نے نہ صرف اپنے بنگلے کو ہی دلہن کی طرح سجایا تھا بلکہ وہ خود بھی دولہا نظر آرہے تھے۔ پوجا دیوی بھی اپنے عروسی جوڑے میں ملبوس تھیں ان دونوں نے اپنی شادی کے جوڑے اب تک محفوظ رکھے ہوئے تھے اور ہر سال شادی کی سالگرہ کی تقریب پر ان کو زیب تن کرتے تھے۔ رینا نے آج جاپانی نائیلون کی آسمانی رنگ کی ساڑھی پہنی تھی جس پر کی ہوئی کشیدہ کاری اور زرکاری لوگوں کی آنکھوں کو چندھیا رہی تھیں۔ اسی رنگ کا ایک بلاوز زیب تن کیا تھا۔ بالوں کو دو چوٹیوں کی شکل میں گوندھا تھا جو کبھی اس کے سینے پر اور کبھی کمر پر زہریلی ناگنوں کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ وہ کبھی کبھی ان چوٹیوں کو اس انداز سے جھٹکا دیتی کہ دیکھنے والے تڑپ کر رہ جاتے۔ آج وہ واقعی آسمانی حور نظر آرہی تھی اور جس کسی کی بھی نظر اس پر ایک بار پڑتی تھی ہٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ رینا کو واقعی قدرت نے فرصت کے اوقات

میں بنایا ہو گا۔ وہ قدرت کا ایک انوکھا شاہکار تھی جس پر شاید قدرت کو بھی فخر رہا ہو گا۔ رینا اپنی سہیلیوں کی جھرمٹ میں بیٹھی ہوئی چہک رہی تھی اور آج اس کی طرب و شادمانی کا کچھ اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا اس نے اپنے دل میں ارادہ کیا ہوا تھا کہ وہ جشن کے اختتام پر اپنے ڈیڈی سے اپنے اور ردی کے پیار کا تذکرہ کرے گی اور ان سے فرمائش کرے گی کہ وہ اسے ردی سے شادی کرنے کی منظوری دے دیں۔ اس کا خیال تھا کہ آج کے دن اس کے ڈیڈی اس کی ہر خواہش پوری کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔

راکیش نے بھی آج بہترین ٹریلین کا سوٹ زیب تن کیا تھا جو اس کے خوبصورت اور کسرتی جسم پر بہت ہی بھب رہا تھا۔ ہرلیش نے ٹریلین کی سفید بشرٹ اور ٹریلین کی ہی سفید پینٹ پہنیں تھیں اور آج وہ بھی خوب جچ رہا تھا۔ ردی بھی ششما اور املیش کے ساتھ آ پہنچا تھا۔ ردی نے ہلکے بادامی رنگ کی پینٹ پر گہرے نیلے رنگ کی ٹریلین کی بشرٹ پہنی تھی اور اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہاں موجود نوجوانوں میں سب سے حسین اور جاذب نظر ردی ہی نظر آ رہا تھا۔ امیش اور ششما اور باقی سبھی لوگ اپنے بہترین ملبوسات میں ملبوس تھے۔

رینا نے ردی۔ املیش اور ششما کا تعارف، اپنے والدین اپنے بھائی راکیش اور ہرلیش سے کرایا۔

دلباغ رائے اور پوجا دیوی نے اپنا شفقت بھرا ہاتھ ان کے سر پہ پھیرا اور ایسا ظاہر کیا کہ وہ ان کی آمد سے بہت خوش ہیں۔

سب لوگ دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بٹے ہوئے کوکا کولا

اور آئس کریم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ردی نے رینا کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔

"گو مجھے آج خوشی کے موقع پر ایسی باتیں کہنے سے احتراز کرنا چاہئے مگر کہے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔"

"کیا بات ہے ردی؟" زرینا نے کچھ حیرانی اور پریشانی کے سے انداز میں کہا۔

"کچھ نہیں رینا۔ میں تو یہ کہنے جا رہا تھا کہ نجانے کتنے لوگ آج تمہارے حسن کی زیبائی دیکھ کر دیوانے ہونے والے ہیں اور اپنے ہوش و حواس کھونے والے ہیں اور کیا عجیب ہے کہ کچھ بے چارے تمہارے حسن کی تاب نہ لا کر راہی ملک عدم ہی ہو جائیں۔"

"بس رہنے دو۔ بڑے آئے میری تعریف کرنے والے۔ ذرا اپنے آپ کو دیکھو جب سے آئے ہو کتنی ہی لڑکیاں تمہیں گھور گھور کر دیکھ رہی ہیں۔ ہلو ندر۔ ارادھنا۔ ارچنا۔ اندرا وغیرہ کی نظریں تو تم پر سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بھی جذبات کی رو میں بہہ کر کسی اور کو دل نہ دے بیٹھو اور اپنی رینا کو بالکل ہی نہ بھول جاؤ۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا جان من۔ دل کا سودا بار بار نہیں ہوا کرتا۔"

"کیا کہہ سکتے ہیں بھئی۔ ان مردوں کا کیا بھروسہ؟"، رینا نے یہ الفاظ کچھ اس انداز سے کہے کہ ردی تڑپ اٹھا اور اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ اب وہ باتیں کرتے کرتے پائیں باغ کے ایک کنج تنہائی میں پہنچ چکے تھے۔ ردی نے رینا کے ہونٹوں کی لپ سٹک مدھم کر ہی دی

اور اس بے چاری کو پھر سے لپ سٹک کا منت کش ہونا پڑا۔
سارا پروگرام پائیں باغ میں ہی انجام پا رہا تھا۔ پودوں اور درختوں کو بجلی کے رنگ برنگے قمقموں سے لاد دیا گیا تھا۔ وسط میں ایک لیمپ پوسٹ گاڑ کر اس پر ہزار واٹ کا بلب فٹ کیا گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند اپنی پوری شان و شوکت سے چمک رہا ہو۔ اب کچھ بے تکلف دوستوں نے دلباغ رائے صاحب کو اصرار کر کے مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی پچیس سالہ ازدواجی زندگی کا نچوڑ اور لب لباب حاضرین کے سامنے رکھیں۔ سب لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تھے اور دلباغ رائے کچھ اس طرح گویا ہوئے۔

"آج میں اپنی شادی کی پچیسویں سالگرہ منا رہا ہوں۔ دوسرے الفاظ میں اسے سلور جوبلی، بھی کہا جا سکتا ہے۔ بھگوان کی کرپا سے میرے اور میری اہلیہ شریمتی پوجا دیوی کے لئے یہ ۲۵ سال شادمانی۔ طرب و مسرت اور سکھ کے حامل رہے ہیں۔ ہم ہمیشہ خوشی کا جھولا جھولتے رہے ہیں چھوٹی چھوٹی مصیبتوں کو ہم نے کبھی مصیبت نہیں گردانا اور دونوں نے مل کر خندہ پیشانی سے ان کا مقابلہ کیا۔ جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں اور جو حقیقت بھی ہے۔ ہماری خوشی کا راز صرف ایک ایسی بات میں مضمر رہا ہے کہ میں شروع سے ہی فیملی پلاننگ کا قائل رہا ہوں۔ اس زمانے میں جب میری شادی ہوئی۔ ہر شے بہت سستی تھی اور کافی مقدار میں ملتی تھی۔ اُن دنوں خاندانی منصوبہ بندی کی اتنی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی مگر میں اس وقت بھی سمجھتا تھا کہ اگر مجھے اپنے بچوں کو حسب خواہش پروان چڑھانا ہے تو خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ

میں نے صرف دو ہی بچے پیدا کئے ۔ بڑا لڑکا ہے جس کا نام راکیش ہے ۔ اس سے آپ سب لوگ اب تک متعارف ہو چکے ہوں گے ۔

میری زبردست خواہش تھی کہ میرا لڑکا آئی ۔ اے ۔ ایس امتحان میں کامیاب ہو ۔ اور بھگوان کی مہربانی سے میری وہ خواہش پوری ہو گئی ۔ راکیش نے صرف ۲۳ سال کی عمر میں آئی ۔ اے ۔ ایس کا امتحان پاس کر لیا ہے ۔

میرا دوسرا بچہ میری لڑکی رینا ہے جس کی عمر ۱۷ سال کے قریب ہے ۔ اور جواب سیکنڈ ییر کی طالبہ ہے ۔

ظاہر ہے کہ میں شروع سے ہی ایگزیکٹیو انجینئر نہیں ہوں ۔ میں بطور اوورسیر بلڈنگز اس محکمہ میں تعینات ہوا تھا مگر شروع سے اب تک مجھے کسی بھی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا ۔ جہاں آمدنی محدود رہی وہاں خرچہ بھی چھوٹی فیملی ہونے کی وجہ سے ٹھیک ٹھیک رہا ۔ میں نے کبھی اپنے بچوں کی جائز خواہش کو رد نہیں کیا اور پرماتما کے فضل سے ان کو ہمیشہ اچھے سے اچھا کھانے اور پہننے کو دیا ۔ ایسا کرنے کے لئے مجھے کوئی بے ایمانی نہیں کرنی پڑی ۔ کوئی رشوت نہیں لینی پڑی ۔ کتنی ہی بار مجھے بڑی سے بڑی رشوتیں پیش کی گئیں مگر میں نے ان کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا ۔

اور آج کل رشوت ستانی کا بازار اسی لئے گرم ہے کہ لوگ دھڑا دھڑ اولاد پیدا کر رہے ہیں اور اپنی محدود آمدنی میں اپنے گھر کا گزارہ بڑا کنبہ ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکتے ۔ پھر وہ ہر جائز ۔ اور ناجائز طریقے سے دولت کمانے کی سعی کرتے ہیں ۔ چونکہ میرے صرف دو ہی بچے تھے اس لئے میں اور ان کی والدہ ان کی پرورش پر اپنی تمام تر توجہ صرف کر سکے ۔ ان

دونوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی ۔ راکیش تو اب اپنے پیروں پر کھڑا ہو ہی گیا ہے اور رینا کو بھی میں ایک ایسا سہارا دے رہا ہوں جو ہمیشہ اس کی حفاظت کرے گا ۔ (یہ سن کر رینا ۔ ردی ۔ امیش ۔ ششما ۔ ہریش ۔ اور راکیش وغیرہ سبھی کے کان کھڑے ہو گئے) اور وہ سہارا ہے میرے بیٹے راکیش کا جگری دوست ہریش بابو جس نے امسال آئی ۔ اے ۔ ایس کے امتحان میں ایک نمایاں پوزیشن حاصل کی ہے ۔ میں اس مسرت کے موقع پر یہ اعلان کرتا ہوں کہ میری بیٹی رینا آج سے ہریش سے منسوب سمجھی جائے ۔ شادی کی ابھی کوئی جلدی نہیں ہے مناسب وقت دیکھ کر کر دی جائے گی "

تقریر کے خاتمے پر لوگوں نے تالیاں بجائیں اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے ۔ ردی ۔ رینا ۔ امیش اور ششما کے دلوں پر بجلی سی گری ۔ ردی اور رینا جوں کے توں بیٹھے رہ گئے اور ان پر ایک سکتہ ساطاری ہو گیا ۔ امیش تمام حالات سمجھ گیا تھا ۔ اس نے اور ششما نے ردی کا ایک ایک بازو پکڑا اور آہستہ ردی کے ساتھ اس کو باہر لا کر کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا ۔ ششما امیش کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور امیش جھٹ سے کار ڈرائیو کر کے ردی کو اس کے فلیٹ پر لے گیا ۔ ردی کو اب تک ہوش نہ آیا تھا ۔ اس کو پلنگ پر لٹا دیا گیا ۔ اور امیش میڈیکل کالج کے ڈاکٹروں کو فون کرنے لگا ۔

ادھر دلباغ رائے نے لوگوں کو نہایت پر تکلف کھانا کھلایا اور ڈاکٹر سنہا کی لکھی ہوئی فیملی پلاننگ پر ایک ایک کتاب تقسیم کی ۔ اس بات پر کسی نے دھیان نہ دیا کہ رینا ردی وغیرہ نے کھانے میں شرکت کی یا نہیں ۔ پھر لوگ ایگزیکٹو انجینئر صاحب سے اجازت لے کر اپنے اپنے گھر لوٹ گئے ۔

⁘ ⋯⋯⋯⋯ ⁘ ⋯⋯⋯⋯ ⁘

سترہواں باب

"کیوں پروفیسر صاحب۔ کیا بات ہے۔ روی کو اب تک ہوش کیوں نہیں آیا؟" امیش نے ڈاکٹر ترپاٹھی سے دریافت کیا جو فون پر اطلاع ملتے ہی دوڑتے ہوئے چلے آئے تھے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے امیش کہ روی کو کوئی اچانک صدمہ پہنچا ہے جس کا اس نے شدید اثر لیا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں انجکشن دیئے دیتا ہوں گھنٹے دو گھنٹے میں اسے ہوش آ جائے گا۔ تم آج کی رات یہیں رہنا اور ہر تین گھنٹے بعد روی کو دوائی پلاتے رہنا۔ دوائی میں ابھی جا کر بھجواتا ہوں اگر ضرورت پڑے تو رات کو پھر مجھے فون کر دینا۔ گھبرانے کی بالکل کوئی بات نہیں ہے۔" ڈاکٹر ترپاٹھی نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

"پھر بھیا بالکل ٹھیک ہو جائیں گے نا ڈاکٹر صاحب؟" شمشما نے سسکتے ہوئے سوال کیا۔"

"ہاں صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ تم کسی قسم کی بالکل کوئی فکر نہ کرو۔" ڈاکٹر ترپاٹھی نے جواب دیا اور اتنا کہہ کر اپنا بیگ لے کر چلے گئے ایش اور ششما بھی کار تک ان کے ساتھ آئے ڈاکٹر ترپاٹھی نے جا کر فوراً دوائی اپنے ڈرائیور کے ہاتھ بھجوائی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ردی نے آنکھیں کھولیں اور پانی مانگا ششما لپک کر پانی لائی اور گلاس ردی کے منہ سے لگا دیا۔ پھر ردی بڑبڑانے لگا۔

"میں کہاں ہوں؟ رینا تم کہاں ہو؟ رینا۔ آخر تمہارے ڈیڈی نے تمہاری تقدیر کا فیصلہ کر ہی دیا نا ـــــ اور جو میں کہا کرتا تھا آخر وہی ہوا نا ـــ رینا تم ہمیشہ مجھے جھوٹا یقین دلاتی رہیں ـــ جھوٹے عہد و پیمان باندھتی رہیں میں ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ تم ہریش کی ہو صرف ہریش کی۔ آخر مجھے دھوکا دینے سے تمہیں کیا مل گیا۔؟ تم میرے ساتھ یہ محبت کا جھوٹا ناٹک کیوں کھیلتی رہیں؟ کسی کا دل توڑ کر تمہیں آخر کیا مل گیا؟ کیا مجھے بے عزت کرنے کے لئے ہی تم نے پارٹی میں مدعو کیا تھا؟ جہاں تک میرا خیال ہے میں نے تو کبھی تمہارا برا نہیں چاہا۔ پھر تم نے یہ کس بات کا اتنا بھیانک انتقام مجھ سے لیا ـــ اُف یہ کیا ہو گیا؟ اب میرا کیا بنے گا؟ اب میں کیسے اور کس کے سہارے زندہ رہ سکوں گا؟ ردی نے پھر پانی مانگا اور ششما نے پانی لانے سے قبل کچھ بولنا چاہا مگر ایش نے اسے اشارے سے منع کر دیا۔ پانی پی کر قدرے توقف کے بعد ردی پھر بڑبڑانے لگا۔

"رینا۔ کیا تم نے اپنی ہریش کے ساتھ منگنی کی خوشخبری سنانے کے لئے

ہی مجھے آج پارٹی میں بلایا تھا؟ یہ تم مجھے ویسے بھی بتلا سکتی تھیں۔ آخر سب کے سامنے میری تذلیل اور تضحیک ہو جانے سے تمہیں کیا مل گیا؟" کچھ دیر کے لئے ردی پھر چپ ہو گیا اور پھر امیش سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"دیکھ لیا تم نے امیش۔ آج کل کی ان خوبصورت ناگنوں کا کھیل۔ پیار کرنے کا ڈھونگ کسی سے کرتی ہیں اور بیاہ کسی سے رچاتی ہیں۔ محبت کو بھی ایک فیشن سمجھتی ہیں اور لوگوں کے دلوں سے ایک کھلونے کی مانند کھیلتی ہیں۔ جس طرح ٹھوکر مار کر کھلونا توڑ دیا جاتا ہے اسی طرح دل کو بھی ٹھوکر مار کر چکنا چور کر دیتی ہیں۔"

"ردی اب تم بھول جاؤ ان سب باتوں کو اور آرام کرو۔ ہو سکتا ہو رینا کو ان سب باتوں کا علم ہی نہ ہو اور اچانک اس کے ڈیڈی نے ہریش سے منگنی منگنی کا اعلان کر دیا ہو۔"

" آرام —— آرام —— آرام میرے نصیب میں اب کہاں ہے میرے بھولے دوست۔ اس آج کل کی دنیا کے ڈھنگ دیکھ کر تو بس جی چاہتا ہے کہ قتل عام شروع کر دوں۔ مکاری۔ فریبی۔ دھوکا دہی۔ بے وفائی آج کل کے لوگوں کا شیوہ بن گیا ہے۔

بھگوان کو بھی اب چاہیئے کہ اس دنیا کو نئے سرے سے ترتیب دے۔ اور ہاں امیش! تم بھی اس بے وفا کی وکالت کر رہے ہو۔ کہہ رہے تھے۔ کہ ہو سکتا ہے اس کو ان تمام باتوں کا علم ہی نہ ہو۔ میرے بھولے پنچھی کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ رینا کے ڈیڈی۔ جو ایک تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے انسان ہیں اپنی بیٹی کی مرضی کے بغیر ہی ایسا اعلان کیسے کر دیتے۔ یہ سب صرف رینا کی مرضی سے ہی نہیں ہوا بلکہ عین اس کی خواہش کے مطابق ہوا ہے۔ وہ مغرور

حسینہ اب چاہتی ہے کہ ایک آئی۔ اے۔ ایس آفیسر کی بیوی کہلائے۔ جہاں بھی جائے لوگ اس کے منہ کی طرف دیکھیں اور اسے جھک جھک کر سلام کریں اس کا خیال ہے کہ رندی بے چارہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ساری عمر بطور ایک معمولی ڈاکٹر کے گزار دے گا۔ ہیرے بھیا۔ آج کل ہر سودا خوب سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ ہر سودے میں انسان اپنے ذاتی مفاد اور اپنی ذاتی غرض کو مقدم سمجھتا ہے۔ اور محبت بھی آج کل ایک سودا ہی ہو کر رہ گئی ہے۔ تم شاید رینا کی چال نہیں سمجھے۔ اس نے سوچا ہو گا کہ میں شاید خود تو رندی سے یہ بات نہ کہہ سکوں۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ اس کو پارٹی میں بلا لیا جائے اور وہ پھر خود ہی یہ اعلان سن لے گا، اتنا کہہ کر رندی خاموش ہو گیا۔

سشما نے اسے دوائی کی ایک خوراک پلائی اور رامیش اور سشما دونوں نے اصرار کیا کہ اب وہ سو جائے۔ اس نے بھی سو جانے کی کوشش کی مگر پھر پتہ نہیں اسے کیا سوجھی۔ ایک دم سے اٹھ بیٹھا اور زور زور سے چلانے لگا۔

" رینا تم یہ نہ سمجھنا کہ کسی غریب کا دل توڑ کر تم سکھ چین پا سکو گی بھگوان سب تم سے سمجھ لے گا۔ میں دکھاؤں گا کہ تم بھی تڑپ تڑپ کر جان دے دو گی۔ ہریش بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے گا جیسا تم نے میرے ساتھ کیا ہے۔ تم بھی میری طرح قرار کو ترسا کرو گی۔ ہر وقت ہر گھڑی اور ہر لمحہ تم اپنے اندر ایک ایسی بے قراری پاؤ گی جس کا مداوہ ڈھونڈے سے بھی نہ مل سکے گا۔ تم بھی دیوانی ہو جاؤ گی ــــ دیواروں سے سر ٹکراؤ گی۔ اپنے کپڑے پھاڑ و گی۔ اپنے بالوں کو نوچ ڈالو گی

اور شانتی کے لئے در در بھٹکتی پھرو گی ۔ اتنا کہہ کر روی کچھ دیر کے لئے رک گیا اور پھر لہجہ دھیما کر کے بڑبڑانے لگا ۔

" ہیں ۔ ہیں یہ سب کیا کہہ رہا تھا ؟ میں شاید سچ مچ پاگل ہو گیا ہوں نہیں رینا نہیں ۔ میں تو سدا کا ابھاگا ہوں ۔ تم پھلو پھولو ۔ پروان چڑھو ۔ خوشیاں سکھ چین اور قرار تمہارے قدم چومیں ۔ تم مجھے معاف کر دینا رینا ۔ میں واقعی دیوانہ ہو گیا ہوں ۔ بھگوان یہ مجھے کیا ہو گیا ہے ؟ کیا میں اتنا گر گیا ہوں کہ اپنی رینا کے لئے ایسا سوچوں ایسے پراگندہ خیالات اس کے لئے اپنے دماغ میں رکھوں ۔ میں اس کو بد دعائیں دوں ۔ بھگوان میری رینا کو ہمیشہ سکھی رکھنا وہ ہمیشہ چین اور شانتی کی بانسری بجاتی رہے ۔ دکھوں کا سایہ تک بھی کبھی اس پر نہ پڑے ۔ رنج و الم کے نام سے کبھی وہ آشنا نہ ہو سکے ۔ اس کے حصے کے دکھ ۔ درد اور رنج و غم سب مجھے مل جائیں بھگوان ۔ رینا نجانے مجھے کیا ہو گیا تھا کہ جنوں میں کیا کیا کچھ بک گیا ۔

پھر روی کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی اور تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھیں لگ گئیں ۔



اٹھارہواں باب

ادھر رینا بھی ہریش سے اپنی منگنی کا اعلان سن کر حیران وششدر رہ گئی تھی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ ایسا محسوس کر رہی تھی کہ جیسے اسے کسی نہایت اونچے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے دھکیل دیا گیا ہو۔ وہ جوں کی توں بیٹھی رہ گئی تھی اور پتھر کی طرح ساکت وجامد ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے تمام اعضاء بے جان سے ہو کر رہ گئے تھے اور وہ ایسا محسوس کر رہی تھی کہ جیسے یکایک اس پر فالج کا شدید حملہ ہوا ہو اور وہ مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی ہو کر فضا میں کچھ گھور رہیں تھیں اور صرف ایک ہی سمت میں ایک ٹک کچھ دیکھے جا رہیں تھیں۔ اس کا دماغ شل ہو گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے اس کی قوت گویائی کسی نے سلب کر لی ہو۔

راکیش رینا کو مبارکباد دینے کے لئے اس کی طرف دوڑا تھا۔ اسے

رینا دیوی آپ کہاں چھپی ہوئی ہیں۔ بھئی آپ تو ابھی سے شرمانے لگیں" اور رینا کے پاس پہنچ کر اور اس کی حالت دیکھ کر وہ سناٹے میں آگیا تھا۔ اس کی زبان یکایک رک گئی ۔ اس نے رینا کو جھنجوڑ ڈالا مگر رینا نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں ۔ اس کی آنکھیں ایک ہی مرکز پر مرکوز ہو کر رہ گئیں تھیں اور ابھی اس کا پھٹی پھٹی نگاہوں سے خلا میں گھورے جانا جاری تھا ۔

اب دلباغ رائے ۔ ہریش اور گھر کے سبھی افراد رینا کے پاس پہونچ گئے تھے ۔ اور اس کی یہ حالت دیکھ کر فی الواقعی گھبرا گئے تھے ۔ ان کو یہ تک ہوش نہ رہا تھا کہ کسی ڈاکٹر کو فوراً طلب کیا جائے ۔ وہ پاگلوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور یہ نہ سمجھ پا رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے رینا کی ماں شریمتی پوجا دیوی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی کچھ دیر تو وہ بھی خاموش رہیں تھیں مگر اب چلا اٹھی تھیں اور رینا کو اپنی باہوں میں لے کر کہہ رہیں تھیں ۔

" میری بچی تجھے یکایک یہ کیا ہو گیا ۔ کیا تجھے کسی نے کچھ کہہ دیا ہے ۔ تو مجھے بتا میں اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالوں گی ۔ ابھی تو تو اچھی بھلی خوش خوش پھر رہی تھی پھر یہ اچانک کیا بات ہو گئی "، پوجا دیوی شاید کچھ اور بھی کہتیں مگر دلباغ رائے کا اشارہ پاکر چپ ہو گئیں ۔

رینا کو اندر لے جاکر بستر پر لٹا دیا گیا تھا ۔ راکیش نے بہن کی نبض پر ہاتھ ڈالا اور اس نے محسوس کیا کہ اس کی نبض نہایت تیزی سے چل رہی تھی اور اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ۔ تمام گھر والوں کے ہوش و حواس اڑ گئے تھے ۔ ہریش نے اسی اثنا میں اپنے نہایت گہرے دوست ابیناش سہگل کو فون کر دیا تھا ۔ اور وہ فوراً اپنی کار سے آپہنچے

تھے ۔ انھوں نے رینا کا ہر زاویے سے نہایت غور سے معائنہ کیا اور ہریش کو ایک طرف لے جاکر بتایا کہ اسے اچانک کوئی نہایت گہرا صدمہ پہنچا ہے کوئی انوکھی بات اس کی توقع کے خلاف ظہور پذیر ہو گئی ہے ۔ کوئی ایسی گھٹنا اچانک گھٹ گئی ہے جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی ۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر ان سب لوگوں سے کہا " گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے ۔ میں نے اسے انجکشن دے دیا ہے جس سے اس کی نبض کی تیز رفتاری کم ہو جائے گی اور دل کی دھڑکنیں بھی آہستہ آہستہ معمول پر آ جائیں گی ۔ مگر میں آپ لوگوں کو بتلا دوں کہ اس کا سب سے بڑا علاج یہ ہے کہ یہ خوب جی بھر کر رولے اور اپنے دل کا غبار نکال لے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غیر متوقع خبر سننے کے بعد سکتے میں آگئی ہے اور رو بھی نہ سکی ہے ۔ اچھا اب میں چلوں گا ۔ صبح میں پھر آ جاؤں گا "

راکیش ڈاکٹر ابیناش سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ڈاکٹر صاحب نے رینا کے سبھی گھر والوں کی ڈھارس بندھائی اور اپنا بیگ لے کر جلدی سے اپنی کار کی طرف بڑھنے لگے ۔ راکیش نے فیس دینا چاہی مگر انھوں نے لینا منظور نہ کیا ۔

ہریش کے والد اور ڈاکٹر ابیناش کے والد لنگوٹیا یار تھے ۔ ہریش اور ڈاکٹر بھی میٹرک تک ہم جماعت رہے تھے ۔ اس کے بعد ڈاکٹر ابیناش نے پری میڈیکل میں داخلہ لے لیا تھا اور ہریش نے آرٹس میں ۔ اپنی اپنی فطرت ہوتی ہے ہریش کا رجحان سائنس کی طرف بالکل نہ تھا ۔ ہریش کے والد کی مالی امداد کی بدولت ہی ابیناش ڈاکٹر بن سکا تھا ۔ اب وہ شہر کے نہایت ممتاز اور سرکردہ ڈاکٹروں میں شمار ہوتا تھا وہ ہارٹ سپیشلیسٹ بھی تھا اور عورتوں اور مردوں کے خفیہ امراض کا تو خاص طور سے ماہر تھا ۔ سب جانتے تھے کہ ڈاکٹر

ابیتاش کے مقابلے کا سیکس سپلسٹ دور دور تک نہیں ہے۔ ڈاکٹر ابیتاش دوراندیش بھی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ وہ کسی حد تک بھانپ گیا تھا کہ رینا نے یا تو محبت میں چوٹ کھائی ہے یا کوئی انہونی بات اس کے پیار کے راستے میں حائل ہو گئی ہے۔ ہریش نے ڈاکٹر صاحب کو بتلایا تھا کہ آج رینا اور اس کی منگنی کا اعلان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر نے محسوس کیا تھا کہ رینا شاید کسی اور سے محبت کرتی ہے اور ہریش سے اپنی منگنی کا اعلان سن کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر ہریش پر اپنا قیاس ظاہر نہ کیا تھا مبادا کہ بات کچھ اور ہو اور ہریش خواہ مخواہ محسوس کر بیٹھے۔ سالگرہ کی پارٹی میں ڈاکٹر ابیتاش کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر اس کو اچانک فون پر اطلاع ملی تھی کہ اس کا ایک پرانا مریض جاں بلب ہے۔ اس لئے وہ اسے دیکھنے چلا گیا تھا اور کافی وقت لگ جانے کی وجہ سے سالگرہ کی پارٹی میں شرکت نہ کر سکا تھا۔

ہریش نے بھی سائیکلوجی پڑھی تھی اور ویسے بھی وہ نہایت ذکی اور دور اندیش نوجوان تھا۔ اس نے بھی کچھ کچھ محسوس کیا تھا کہ شاید دال میں کچھ کالا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ اگر رینا کسی اور سے پیار کرتی ہوتی تو مسوری میں اس کے براہ راست سوال کرنے پر وہ ضرور جواب دے دیتی اور یہ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ کہ دلباغ رائے جیسی سوجھ بوجھ والا آدمی بغیر رینا کا عندیہ معلوم کئے منگنی کا اعلان کر دے گا۔ بدیں وجہ وہ کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا تھا۔

دلباغ رائے۔ راکیش، اور اس کی والدہ بھی اپنی اپنی جگہ قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ شک ان کو بھی ہوا تھا کہ رینا شاید اس منگنی سے خوش نہیں

ہے۔ مگر بظاہر اس بات کی کوئی وجہ نہ پاکر انھوں نے اپنا زادیۂ فکر موڑ لیا تھا۔

ویسے تو ہر ماں باپ سے اپنی اولاد کو بے حد اُنس ہوتا ہے مگر شریمتی پو جا دیوی تو اپنی بیٹی پر سے پانی وار وار کر پیش تھیں اور اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ رینا کی حالت دیکھ کر ان کو چکر سا آگیا تھا اور اب وہ بھی مریض بن کو لے کر بستر پر دراز تھیں۔ دینا نتھ رائے اور راکیش کو اب دہرا فکر ہو گیا تھا ڈاکٹر ابیناش سہگل نے تشخیص کیا تھا کہ پو جا دیوی کو ہلکا سا دل کا دورہ پڑا ہے۔ رینا کی حالت اب قدرے اچھی تھی اور گھر والوں میں سے کسی نے بھی بہ موجب ہدایت ڈاکٹر اس سے کچھ استفسار نہ کیا تھا۔ مگر رینا کو معلوم ہو ہی گیا تھا کہ اس کی والدہ بھی بیمار ہو گئی ہے۔

وہ آہستہ سے اپنے بستر سے اٹھی اور کسی کو خبر کئے بغیر آہستہ روی سے ماں کے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس نے اپنے آپ کو اپنی ماں کی چھاتی پر گرا دیا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ اس کے لئے بہت ہی اچھا ہوا۔ رونے سے اس کا دل کچھ ہلکا ہو گیا۔ تین چار روز میں رینا اور اس کی ماں کی حالت کافی سدھر گئی مگر رینا وہ خوشی حاصل نہ کر سکی جو ایک مریض کو اس کے شفایاب ہونے پر ہوتی ہے۔ وہ بیمار محبت تھی اور دردِ دل میں مبتلا تھی۔ اس بیماری کا علاج آج تک کوئی نہ ڈھونڈ سکا ہے کسی نے سچ کہا ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

رینا کا دل اب بھی بجھا بجھا سا رہتا تھا۔ اس کا کسی کام میں بھی دل نہ لگتا تھا۔ کالج جانا بھی اس نے بالکل بند کر دیا تھا۔ وہ رینا جو گھر میں

شاذ و نادر ہی ٹھہرتی تھی اور اکثر اپنا وقت باہر ہی گزارتی تھی جس کی زندگی شادمانیوں اور قہقہوں سے عبارت تھی اب گھر کی چار دیواری میں ہی اپنے آپ کو مقید رکھتی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں اپنے بستر پر دراز ہر وقت خیالات کی وادیوں میں بھٹکتی رہتی۔ روی کی یاد ایک لمحے کے لئے بھی اس کے دل سے محو نہ ہوتی۔ وہ سوچتی آخر یہ کیا ہو گیا؟ روی اس کے متعلق نجانے کیا سوچتا ہو گا۔ وہ ضرور اسے بے وفا گردانتا ہو گا۔ اور ایسا سوچنے میں وہ حق بجانب بھی ہے۔ اس کے ڈیڈی کو یکایک نجانے کیا سوجھی کہ انھوں نے بغیر اس سے پوچھے اور بغیر اس کی رضامندی کے ہریش سے اس کی منگنی کا اعلان کر دیا۔ اس کا دل چاہتا کہ اسے پر لگ جائیں اور وہ ہوا میں پرواز کرتی ہوئی سیکنڈوں میں اپنے روی کے پاس پہنچ جائے مگر پھر سوچتی کہ روی کے پاس وہ کیا منہ لے کر جائے گی۔ کیا روی کو اس کی بے گناہی اور وفا پر یقین آجائے گا؟۔

....

انیسواں باب

امیش اور شتما کے سمجھانے اور خود بھی غور و فکر کرنے کے بعد ردی بھی اب سوچنے لگا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ رینا کو ان تمام باتوں کا علم ہی نہ ہو اور ہریش سے اس کی منگنی کا اعلان یکایک کر دیا گیا ہو۔ وہ رینا سے ملنے کے لئے بڑا بے تاب رہتا تھا اور دعا مانگا کرتا تھا کہ اس کو کسی بھی طرح رینا کی ایک جھلک ہی دیکھنے کو مل جائے۔ مگر رینا سے ملنے کی کوشش اس نے اس لئے نہیں کی کہ کہیں ہریش اور راکیش غلط مطلب نہ نکالیں اور اس کی رینا کے لئے کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے۔ اسے یہ بھی خدشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں اس کی محبوبہ رسوا نہ ہو جائے اور لوگ طرح طرح کی باتیں کر کے اس پر انگلیاں نہ اٹھائیں۔ ردی ہر لحاظ سے ایک عظیم انسان تھا اور بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی اپنے فرض کو خوب پہچانتا تھا۔ اب اس نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا تھا اور اپنی کشتیٔ حیات خدا

کے بھروسے پر چھوڑ دی تھی۔

ع احسان نا خدا کا اٹھائے میری بلا!
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

وہ معمول کی طرح اپنے کالج جانے لگا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ رینا کی یاد سے غافل ہو گیا تھا۔ اب بھی رینا کی پیاری پیاری اور بھولی بھالی باتیں یاد کر کے وہ دل ہی دل میں محظوظ ہوتا۔ بیشتر اوقات بے چین اور بے قرار بھی ہو اٹھتا مگر کوئی چارہ نہ پاکر صبر کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ وہ کتنی ہی بار اکیلا پارک کے اس گوشے میں بھی گیا جہاں وہ اور رینا گھنٹوں بیٹھ کر پیار محبت کی باتیں کرتے نہ تھکتے تھے۔ وہاں جاکر وہ محسوس کرتا کہ جیسے اس کی رینا اب بھی وہاں لیٹی ہوئی گھاس کا تنکا اپنے دانتوں تلے دبا رہی ہے اور نہایت رومانٹک انداز میں اس سے باتیں کر رہی ہے۔ اپنی نرم نرم انگلیاں اس نے روی کی بالوں میں پھنسا لی ہیں اور ان سے وہ کنگھا کر رہی ہے۔ خیالوں ہی خیالوں میں وہ اپنے آپ کو رینا کو زور سے بھینچتا ہوا محسوس کرتا اور اسے ایسا لگتا کہ جیسے اس نے رینا کے عنابی لبوں کی شیرینی اور حلاوت چرا لی ہے۔ کبھی کبھی پارک میں بیٹھا بیٹھا بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا اور کہتا کہ بھگوان اس کی رینا کو ایک بار ضرور اس سے ملا دے۔

مگر منگنی کے اعلان والے دن سے آج تک وہ رینا سے مل نہ سکا تھا۔

ادھر رینا کا کتنی ہی مرتبہ جی چاہا تھا کہ روی سے ملے۔ وہ اسی مقصد کے لئے کئی بار گھر سے نکلی۔ روی کے فلیٹ تک گئی اور واپس لوٹ آئی کئی بار وہ میڈیکل کالج کے گیٹ تک بھی ہو کر لوٹ آئی۔ وہ اپنے اندر

ہمت نہ پاتی تھی کہ روی سے مل سکے اسے خیال تھا کہ شاید وہ روی سے آنکھیں نہ ملا سکے گی اور شاید اس کے ملنے سے اپنی زبان نہ کھول سکے گی۔ اسے رہ رہ کے خیال آتا تھا کہ روی نے اسی کو اس سانحے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہو گا اور وہ لاکھ جواز پیش کرنے کے بعد بھی روی کو یقین نہ دلا سکے گی کہ وہ بے قصور ہے۔

آخر ایک دن اس نے روی کو ایک خط لکھنے کی ٹھانی۔ یہ فیصلہ اس نے بہت سوچ وچار کے بعد کیا تھا۔ اس سے قبل بھی وہ مسوری سے دو تین خطوط روی کو لکھ چکی تھی مگر آج اس کا قلم کاغذ پر چلنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ وہ ایک دو الفاظ لکھتی اور پھر رک جاتی۔ نجانے اس کے قلم کی روانی کہاں چلی گئی تھی۔ کتنے ہی کاغذوں پر وہ صرف دو چار الفاظ لکھ کر پھاڑ چکی تھی آخر بہت کوشش کے بعد مندرجہ ذیل چھوٹا سا خط وہ تیار کرنے میں کامیاب ہو سکی۔

پیارے روی!

تم سوچو گے کہ اب بھی رینا مجھ سے مذاق کرنے سے باز نہیں آئی اور مجھے چڑانے کے لئے "پیارے" لکھ رہی ہے۔ مگر میرے لئے تم اب بھی وہی روی ہو جو اس منحوس منگنی کے اعلان سے پہلے تھے اور ہمیشہ رہو گے۔ روی کیا تم یقین کرو گے کہ اس منگنی کا مجھے ڈیڈی کے اعلان کرنے سے پہلے مطلقاً علم نہ تھا کاش کہ تمہیں یقین آ جائے! میں اپنے اندر ہمت نہیں پا رہی کہ تم سے ملاقات کر سکوں۔ خط کا جواب بواپسی ڈاک دینا۔

"تمہاری اور صرف تمہاری" رینا"

یہ خط لکھ کر اور لفافے میں بند کر کے اور لفافے پر روی کا پتہ لکھ کر اس نے اپنے نوکر مان سنگھ کو پوسٹ کرنے کے لئے دیا اور ہدایت کی کہ اس کو وہ چوکس لیٹر بکس میں ڈال آئے۔ مان سنگھ خط متذکرہ بالا کو پوسٹ کرنے کے لئے جا ہی رہا تھا کہ راکیش نے اس کو دیکھ کر آواز دی۔ وہ فوراً لپک کر راکیش کے پاس پہنچا اور بولا "کیا حکم ہے چھوٹے سرکار"۔ راکیش نے اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ دیکھ کر پوچھا کہ کس کا خط ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بٹیا کا ہے۔ مان سنگھ کی عمر ایگزیکیٹو انجینئر دیاشنکر رائے کی عمر کے لگ بھگ تھی۔ وہ ۲۰، ۲۱ سال کی عمر سے ہی ان کے پاس کام کرتا تھا اور اب اسے گھر میں ایک بزرگ کی سی حیثیت حاصل تھی۔ راکیش اور رینا اس کے گودیوں کے کھلائے ہوئے تھے اور دونوں اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اسی رعایت سے وہ رینا کو بٹیا ہی کہتا تھا۔ راکیش نے سوچا کہ رینا نے شاید اپنی کسی سہیلی کو خط لکھا ہوگا۔ اس لئے مزید استفسار کی اس نے ضرورت نہ سمجھی اور مان سنگھ سے بولا کہ بازار تو تم جا ہی رہے ہو۔ خط پوسٹ کرنے کے بعد لانڈری سے میرے دھلے ہوئے کپڑے لیتے آنا۔ مان سنگھ نے راکیش کے ہاتھ سے کپڑوں کی پرچی لی اور راکیش نے اسے پانچ روپے کا ایک نوٹ بھی دیا مان سنگھ نے بازار کی طرف رخ کیا۔

ابھی وہ مشکل سے ۱۰۰ قدم ہی چلا ہوگا کہ سامنے سے اسے ہرلیش آتا ہوا دکھائی دیا۔ دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مان سنگھ نے ہرلیش کو نمستے کی اور ہرلیش نے بھی اس سے وہی سوال کیا جو اب سے چند منٹ پہلے راکیش کر چکا تھا۔ یعنی اس سے پوچھا کہ اس کے ہاتھ میں کس کا دیا ہوا خط ہے؟۔ مان سنگھ نے بتلایا کہ رینا کا خط ہے جو اسے پوسٹ کرنے کے لئے دیا گیا ہے

ہریش کا ماتھا ٹھنکا اور اسے کرید لگی کہ رینا آخر کہاں خط لکھ سکتی ہے۔ کرید تو اسے اسی دن سے لگی ہوئی تھی جس دن سے رینا سالگرہ کی پارٹی میں بیہوش ہوئی تھی۔ وہ متجسس تھا اس بات کا بھید پانے کا کہ آخر رینا کس بات کی وجہ سے اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی تھی۔ اس نے مان سنگھ کے ہاتھ سے خط لیا اور اس پر روی کا پتہ پڑھ کر حیران وششدر رہ گیا۔ اسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ رینا روی سے متعارف ہے مگر یہ اس کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ دونوں میں خط وکتابت کا بھی سلسلہ جاری ہے۔ وہ مان سنگھ سے بولا "تمہیں بازار میں کوئی اور بھی کام ہوگا۔ تم وہ کام کر لو۔ مجھے ذرا رینا سے اس خط کے بارے میں کچھ باتیں کرنی ہیں۔ بعد میں خود ہی اسے میں پوسٹ کر دوں گا۔"

بھولے بھالے مان سنگھ کو بھلا گہرائیوں میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو صرف اتنا جانتا تھا کہ ہریش بابو ان کے گھر کے ہونے والے داماد ہیں اور راکیش کے نہایت گہرے دوست ہیں۔ اس لئے وہ خط ہریش کو دینے میں کیوں تامل کرتا۔ اس نے اتنا ضرور کہا "اچھا بابو جی۔ مگر خط ڈال ضرور دینا نہیں تو رینا بٹیا مجھ سے ناراض ہو جائیں گی۔

"اچھا بھئی اچھا تم بالکل فکر نہ کرو" ہریش کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

مان سنگھ نے ہریش کو دوبارہ نمستے کی اور اپنی راہ لی۔ بعد ازآں اسے صرف یہی خیال رہ گیا کہ اسے راکیش کے کپڑے لانڈری سے لانے ہیں سیدھا سادھا مان سنگھ خط کے متعلق سب کچھ بھول گیا۔ اسے شاید یہ بھی یاد نہ رہا کہ رینا نے کوئی خط اسے پوسٹ کرنے کے لئے دیا تھا۔

مان سنگھ کے کچھ دور چلے جانے کے بعد ہریش نے ساتھ والی دوکان

پہ بیٹھ کر لفافہ چاک کیا اور خط کا مضمون پڑھ کر سٹپٹا گیا اس کے دل کو ایک دھکا سا لگا اور اس کا سر چکرا گیا۔ دوکاندار نے از راہ اخلاق پوچھا" بابو جی کیا بات ہے۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

"کچھ نہیں بھائی۔ کچھ نہیں ویسے ہی ذرا سر میں درد ہو گیا ہے"۔

دکاندار کو مزید چھان بین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ چپ ہو گیا۔

ہریش نے اس کا شکریہ ادا کر کے خط کو احتیاط سے اپنی جیب میں رکھا اور پھر سے اپنی کار میں سوار ہو گیا۔ ہریش اپنی کار سے ہی آ رہا تھا اور مان سنگھ کے ہاتھ میں خط دیکھ کر اس نے کار روک لی تھی اور نیچے اتر آیا تھا۔

آخر ہریش راکیش کے پاس پہنچا، اور اس نے دیکھا کہ راکیش اپنے کمرے میں لیٹا ہوا کرکٹ کومنٹری سن رہا تھا۔ شاید انڈیا اور نیوزی لینڈ کی کرکٹ ٹیموں کے درمیان میچ ہو رہا تھا۔

دلیپ سردیائی جو بھارت کا اوپننگ بیٹسمین ہے خوب میدان میں ڈٹا ہوا تھا۔ وہ چوکے پہ چوکے لگا رہا تھا اور رفتہ رفتہ اپنی ڈبل سنیچری کی طرف گامزن تھا۔ راکیش بڑی محویت اور انہماک سے کومنٹری سن رہا تھا ہریش نے بھی کومنٹری میں اپنا دل لگانا چاہا مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اب کومنٹری کچھ دیر کے لئے بند تھی اور راکیش نے ریڈیو بند کر کے اپنی توجہ پورے طور سے ہریش کی طرف مبذول کی۔ اس نے محسوس کیا کہ ہریش کا چہرہ اترا ہوا ہے اور اس پہ ہوائیاں سی اڑ رہی ہیں۔ اس سے قبل اس نے ہریش کی ایسی حالت کبھی نہ دیکھی تھی۔ راکیش سے استفسار

پر اس نے طبیعت علیل ہونے کا بہانہ کیا اور اپنے گھر لوٹ آیا۔ اس نے ایک دیگر لفافہ لیا ربینا کا خط اس کے اندر ڈالا اور ردی کا پتہ ٹائپ کر دا کر اس کو پوسٹ کرنے کے لئے بھیج دیا۔



بیسواں باب

رینا سے اپنی منگنی کا اعلان سن کر ہریش اپنے آپ کو دنیا کا خوش نصیب ترین شخص سمجھنے لگا تھا۔ وہ رینا کو اپنے دل کی گہرائیوں سے پیار کرتا تھا۔ اس کی ایک ایک ادا پر وہ پروانہ دار فدا ہو نار ہتا تھا۔ سونے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے اسی کے سپنے دیکھا کرتا تھا۔

یہ دوسری بات تھی کہ رینا کے سامنے کبھی وہ اپنا دل کھول کر نہ رکھ سکا تھا۔ یہ بات کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی تھی کہ رینا کسی اور سے پیار کرتی ہے۔ مگر اب۔ اب ہریش کے سنہرے سپنے بکھر گئے تھے اس کی حالت اس شخص جیسی ہو گئی تھی جو ایک نہایت خوبصورت تصویر کو آرٹ کی گیلری میں سجی دیکھ کر اس کی قیمت معلوم کرے اور جب قیمت ادا کرنے کے لئے پیسے سیلزمین کی طرف بڑھائے تو اس پر ظاہر کیا جائے کہ صاحب یہ تصویر تو پہلے ہی بک چکی ہے۔

ہریش کا دل خون کے آنسو رونے لگا تھا۔ اسے کسی پل کبھی چین نہ آتا تھا۔ اسے ایسا لگتا تھا کہ جیسے اس کی دنیا لٹ گئی ہے اور اس کے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا ہے۔ اب رینا سے اپنی منگنی کو وہ ایسا سمجھتا تھا کہ جیسے ایک بیمار آدمی کے سامنے نہایت مرغن اور لذیذ غذائیں رکھ دی جائیں۔ ردی کے نام رینا کا خط پڑھ کر اس کے ہوش و حواس پر ایک بجلی سی گری تھی۔

اس رات ایک لمحے کے لئے بھی اس کی آنکھ نہ جھپک سکی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں رہ رہ کر اس کے دل سے نکلتیں اور فضا میں تحلیل ہو جاتیں دو تین روز تک وہ راکیش وغیرہ سے کبھی ملنے کے لئے نہ جا سکا۔

مگر آج وہ گاڑی لے کر سیدھا دلباغ رائے ایگزیکٹیو انجینئر کی کوٹھی پر پہنچا۔ یہ جان کر اسے قدرے خوشی ہوئی کہ راکیش گھر پر نہ ہے اور رینا اپنے کمرے میں ہے۔ وہ رینا سے خلوت میں کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اور راکیش کی موجودگی اس کو اپنے مطلب میں پوری طرح کامیاب نہیں ہونے دیتی۔ وہ سیدھا رینا کے کمرے میں پہنچا۔ رینا اس وقت منشی پریم چند کے مشہور ناول سیوا سدن کا مطالعہ کر رہی تھی۔ ہریش کو سامنے کھڑا دیکھ کر وہ گڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اپنی ساڑھی کا پلو اس نے درست کیا اور نہایت موءدب لہجے میں ہریش سے بیٹھ جانے کے لئے کہا۔ اور پھر کمرے سے باہر نکلتی ہوئی بولی۔

"آپ تشریف رکھئے۔ میں ابھی دو منٹ میں منہ ہاتھ دھو کر حاضر ہوتی ہوں"

ہریش ابھی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے رینا کے بستر پر ایک چھوٹا

سا کاغذ کا پرزہ پڑا ہوا دیکھا جو تہہ کیا ہوا تھا اس نے یونہی بغیر کسی مقصد کے اس کو اٹھا لیا اور کھول کر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

" جان تمنا رینا۔

تمہارا خط میں پڑھ چکا ہوں۔ جواب ششما کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔ آج شام کو ۷ بجے اسی پارک میں ملنا جہاں ہماری محبت پروان چڑھی تھی "

روی "

ہریش نے اس کاغذ کے ٹکڑے کو پھر سے تہہ کر کے وہیں رکھ دیا جہاں سے اس نے اسے اٹھایا تھا۔ اتنے میں رینا بھی تولئے سے منہ پونچھتی ہوئی آئی اور ہریش کے بالمقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔ آغاز گفتگو ہریش نے ہی کیا۔

" کہو رینا کیسی ہو؟"

" جی اچھی ہوں "

" راکیش آج صبح ہی صبح کہاں چلا گیا؟"

" جی وہ دو تین روز سے علی گڑھ گئے ہوئے ہیں وہاں میرے ماما جی رہتے ہیں۔ کہہ رہے تھے ہریش بابو سے میری طرف سے معافی مانگ لینا میں جلدی میں ان سے مل بھی نہ سکا "

" خیر کوئی بات نہیں۔ ایک بات پوچھوں رینا۔ مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ تم سچ بولو گی "

" جی۔ پوچھئے "

" کیا مجھ سے منگنی ہو جانے سے تم دل سے خوش ہو؟"

رینا یک لخت سٹپٹا سی گئی مگر جلد ہی اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا

اور بولی۔

"میرے خوش نہ ہونے کی بھلا کیا وجہ ہو سکتی ہے ہریش بابو۔ نجانے آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟"

"ظاہراً تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ مگر پھر بھی میں نے بغرض تسلی یونہی پوچھ ہی لیا۔ رینا میں تمہارا وہ عقیدہ جو تم نے مسوری میں ظاہر کیا تھا بھولا نہیں ہوں۔ تمہارے خیال میں اگر کوئی کسی سے پریم کرتا ہو تو شادی اسی سے کرنی چاہیئے۔ نجانے کیوں مجھے ایک وہم سا ہو گیا کہ کہیں تمہارا پریمی کوئی اور نہ ہو۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے ہریش بابو"

"تو گویا تمہارا پریمی وہی ہو گا جس سے تمہاری شادی ہو گی"

"بس ایسا ہی سمجھ لیجئے"

اس کے بعد دونوں نے ناشتہ کیا اور پھر ہریش وہاں سے اپنے بنگلے پر چلا گیا۔

ٹھیک ½ ۶ بجے شام ہریش کی کار رینا کی کار کا پیچھا کر رہی تھی۔ اور اس سے تقریباً ۲۰۰ قدم کا فاصلہ برقرار رکھ رہی تھی۔ یکایک ہریش نے دیکھا کہ رینا کی کار ایک دھچکے کے ساتھ رکی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی اور پھر کار کو لوک (LOCK) کر کے پھرتی سے پارک میں داخل ہو گئی۔ اب ہریش بھی پارک کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اس نے بھی اپنی کار رینا کی کار سے کچھ فاصلے پر پارک کی اور پھر پارک کے اندر چلا گیا اس نے اپنی آنکھوں کو کالے چشمے سے اور چہرے کو رومال سے ڈھانپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی طرف سے پارک کا چپہ چپہ چھان مارا مگر اسے کہیں رینا کا

پتہ نہ چلا۔ یہ بات اس کے خیال میں بھی نہ آسکتی تھی کہ رینا پارک کے اس تاریک گوشے میں ہوگی جہاں کوئی شخص جانا پسند نہ کرے گا۔ پھر کچھ سوچکر وہ اس طرف کو ہو لیا۔ اس نے کچھ دبی دبی سسکیوں کی سی آواز سنی۔ اب ہریش نزدیک پہنچ چکا تھا۔ پارک کے اس حصے میں کسی قدر اندھیرا تھا۔ مگر ہریش کو صاف نظر آرہا تھا کہ روی اور رینا ایک دوسرے سے بغل گیر ہیں اور دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہے۔ پھر وہ دونوں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر اور بلک بلک کر رونے لگے۔ یہ عمل کافی دیر تک جاری رہا۔ ہریش نے یہ بھی دیکھا کہ اسی دوران روی نے رینا کو کئی بار شدت سے بھینچا۔ جب وہ دونوں اپنے دلوں کے غبار نکال چکے تو رینا نے کہا۔

"روی میں جانتی ہوں کہ تمہیں میری بات پر یقین نہیں آئے گا مگر میں اپنے پیار کی سوگندھ کھا کر کہتی ہوں کہ یہ بات میرے خواب وخیال میں اور وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ میں اس طرح سے ہریش سے منسوب کردی جاؤں گی۔"

"خیر! جو کچھ ہوا جس طرح سے بھی ہوا ٹھیک ہی ہوا۔ رینا اب تم بھول جاؤ ان پرانی باتوں کو۔ تمہیں اب وہ تمام باتیں بھلانی ہی پڑیں گی۔ بھول جاؤ رینا کہ کبھی ہم تم ملے بھی تھے۔ بھول جاؤ کہ کبھی ہم نے پیمان وفا باندھا تھا۔ بھول جاؤ کہ کبھی ہم نے ایک دوسرے کا ہونے کی قسمیں کھائی تھیں۔ میں یہ تمام باتیں کسی ناراضگی کی بنا پر نہیں کہہ رہا۔ اب سب کچھ بھول جانے میں ہی ہم دونوں کی بھلائی ہے۔ اسی لئے میں نے تمہیں آج یہاں بلایا تھا۔ رینا اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ ہماری محبت رسوا نہ ہونے پائے

اب تمہارا فرض ہے کہ اپنے والدین کا کہا مانو۔ ہریش بابو کو کبھی بھولے سے بھی شک نہ ہونے پائے کہ تم کسی اور سے پیار کرتی رہی ہو۔ اب تمہارا فرض ہو گا کہ اپنے آپ کو ایک اطاعت اور وفادار بیوی ثابت کر دو۔"

"بس یا کچھ اور بھی۔ ارے تم نے تو جلد ہی اپنا لیکچر ختم کر دیا۔ کیا بس اتنے ہی نشتر چلانے تھے تم کو۔

رومی اگر پیار پر انسان کا بس چلے تو پھر کہنا ہی کیا ہے۔ تم نے بڑی آسانی سے کہہ دیا کہ بھول جاؤ تمام باتوں کو۔ رومی کیا پیار کی آگ ایک دفعہ سلگنے کے بعد بجھائی جا سکتی ہے؟ سبھی جانتے ہیں کہ پیار ایک ایسا شعلہ ہے جو خود بخود ہی بھڑک اٹھتا ہے۔ اور اپنے آپ ہی سرد ہو جاتا ہے تم نے ہی تو مرزا غالب کا یہ شعر مجھے بتلایا تھا جو مجھے آج تک بھولا نہیں ہے۔ ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب،
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے!

مجھے تعجب ہے کہ رومی کہ تم اتنی جلدی سٹپٹا گئے اور ہمت ہار بیٹھے ارے پیار کے راستے میں تو نجانے کتنی دشواریاں اور مشکلات آتی ہیں۔ پیار کی منزل پانے کے لئے تو لوگ بڑے بڑے سمندروں۔ دریاؤں اور کوہساروں کو پار کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ دہکتے ہوئے شعلوں میں کود جانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ رومی ہمیں حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے۔ بھگوان بڑا کارساز ہے۔ ضرور کچھ نہ کچھ راستہ نکالے گا۔

"رینا کیا تم نے نہیں سنا کہ مرزا غالب کچھ ایسا بھی کہہ گئے ہیں۔ کہ "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے" میں تم سے بالکل ناخوش نہیں

ہوں ۔ میں جانتا ہوں کہ محبت ایسا جذبہ ہے جو لافانی ہے ۔ محبت کبھی مر نہیں سکتی ۔ رینا اگر ہم تم اس جنم میں نہیں مل سکے تو نہ سہی ۔ کبھی نہ کبھی ملیں گے ۔ ضرور ۔ پگلی جو مزا کھو دینے میں ہے وہ پالینے میں نہیں ۔ اب ہمیں اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دینا چاہئے ۔ جیسا ہوگا دیکھا جائے گا ۔

ہریش نہایت اطمینان سے کھڑا یہ تمام باتیں سن رہا تھا ۔ اب اس نے مزید وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہ سمجھی ۔ وہ تیزروی سے پارک سے باہر آیا اور جلدی سے کار ڈرائیو کر کے اپنے بنگلے پر لوٹ آیا ۔ رینا اور روی بھی اس کے تھوڑی دیر بعد پھر ملنے کا وعدہ کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے ۔



اکیسواں باب

ہریش اور راکیش دونوں کی تقرری ہو چکی تھی۔ ہریش ضلع کانگڑہ میں بطور ڈپٹی کمشنر تعینات ہو چکا تھا اور راکیش یو پی کے ایک ضلع میں بطور ایس۔ ڈی۔ ایم اور اس طرح سے دونوں دوست الگ، الگ، ہو گئے تھے۔

راکیش صاحب اپنے عہدے کا چارج سنبھالنے کے لئے گیا تو ایک روز کے لئے میرٹھ ٹھہرا تھا۔ میرٹھ میں دلباغ رائے صاحب ایگزیکٹیو انجینئر کے ایک پرانے کلاس فیلو اور دوست ششتر وجیت پال رہتے تھے۔ وہ ایک بہت بڑے پرنٹر، پبلشر اور کبیاہر تھے۔ ان کی لڑکی ارادھنا ہسٹری میں ایم۔ اے کر چکی تھی اور اب ایک لوکل کالج میں بطور پروفیسر تعینات تھی۔ ارادھنا کافی حسین اور جاذب نظر تھی۔ راکیش اور ارادھنا کئی بار ایک دوسرے سے مل چکے تھے اور ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے۔ دونوں کی شادی کے سلسلے میں دلباغ رائے اور ششتر وجیت پال کافی خط و کتابت بھی کر چکے

تھے اور آخر یہ طے پایا تھا کہ راکیش کے اپنے پیروں پہ کھڑا ہو جانے پر دونوں کی شادی کر دی جائے گی۔ اور اب راکیش اور ارادھنا ازدواجی رشتے میں منسلک ہو چکے تھے۔ ان کی شادی بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے ہوئی تھی۔

دیا شنکر راۓ ایگزیکیٹو انجینئر اب ریٹائر ہو چکے تھے اور اپنے سرکاری بنگلے کے نزدیک ہی ایک شاندار بنگلہ کرائے پہ لے کر رہنے لگ گئے تھے۔ اور شادی اور ہنی مون کے سلسلے میں راکیش نے ۳ ہفتے کی چھٹیاں لیں تھیں۔ شملہ میں ہنی مون منانے کے بعد وہ ارادھنا اور رینا کو ساتھ لے کر ہریش کے پاس دھرم شالہ چلا گیا تھا۔ اس سے پہلے اس نے ہریش کے پاس لکھا تھا۔ کہ وہ ہفتہ عشرہ کی چھٹیاں لے کر آ جائے مگر ہریش نے کام کی زیادتی کے باعث اپنی مجبوری ظاہر کی تھی۔ رینا اور ارادھنا میں جلد ہی اس قدر پریم ہو گیا تھا کہ جیسے دونوں سگی بہن ہوں۔ دھرم شالہ کی آب و ہوا نے راکیش۔ ارادھنا اور رینا تینوں کو ہی بے حد متاثر کیا تھا۔

ایک روز ہریش نے چند آفیسران کو رات کے کھانے پہ مدعو کیا تھا۔ رینا اور ارادھنا تو کھانے کا انتظام کرنے کے لئے گھر پہ ہی رک گئی تھیں مگر ہریش اور راکیش شام کو پیدل ہی سیر کرنے چلے گئے تھے۔ چلتے چلتے راکیش نے کہا۔

"ہریش اب تم بھی جلد ہی شادی کر ڈالو تو اچھا ہے۔ ڈیڈی کی بھی یہی رائے ہے۔"

"ارے بھئی شادی بھی ہو جائے گی۔ اب ایسی بھی کیا جلدی ہے؟"
اتنا کہہ کر ہریش کے منہ سے ایک سرد آہ نکل ہی گئی۔

"اب تمہیں اور کس بات کا انتظار ہے۔ ماشاءاللہ ایک اونچے عہدے پر فائز ہو۔"

"ہریش تم ہندو ہوتے ہوئے بھی ماشاءاللہ وغیرہ کا استعمال خوب کرتے ہو" ہریش نے بات گول کرنا چاہی۔

"ہریش بابو کیا وہ تم نے نہیں سنا۔

ایشور اللہ تیرے نام
سبکو سنمتی دے بھگوان

مگر تم میرے سوال کو بڑی خوبصورتی سے ٹال گئے۔"

"راکیش اگر تم برا نہ مناؤ تو ایک بات کہوں۔ یہ بات میں کافی دنوں سے کہنے کی سوچ رہا ہوں مگر تم سے کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ یہ بھی اندیشہ رہا کہ کہیں تم کوئی غلط مطلب نہ نکال لو۔"

"کیا بات ہے ہریش؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"بات یہ ہے کہ میرے خیال میں رینا مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتی اس روز کی اس کی بیہوشی بلا وجہ اور بے معنی نہ تھی۔ میرے خیال میں وہ کسی اور سے پیار کرتی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو ہریش۔ نجانے ایسے فاسد۔ بے بنیاد اور خام خیالات تمہارے دماغ میں کیسے آئے؟"

"اچھا راکیش فرض کرو رینا کسی اور سے پریم کرتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں بھی تم چاہو گے کہ اس کی شادی مجھ سے ہو؟"

"ہریش بابو میں رینا کا بھائی ہوں۔ میرے خیال میں تمہیں مجھ سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اگر تم بلا کسی ثبوت کے ایسی باتیں کہنے گئے تو مجھے

اندیشہ ہے کہ کہیں مجھ سے اور تم سے لڑائی نہ ہو جائے۔ میں اپنی بہن رینا کو خوب سمجھتا ہوں۔ منگنی کے اعلان کے بعد سے آج تک بیچاری نے زبان تک نہ ہلائی ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو ہمیں ضرور معلوم ہو جاتی۔ ویسے میں تمہاری اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ میں کسی پریم وریم کا قائل نہیں ہوں اگر رینا نے کبھی بھی اور کسی کارن بھی تم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تو میں اس کی اور اپنی جان ایک کر دوں گا۔ ڈیڈی اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے سامنے اس منگنی کا اعلان کر چکے ہیں۔ کیا وہ اپنی بے عزتی برداشت کرنے کے لئے تیار ہو سکیں گے؟"

"راکیش ان کو تو میں آپ تیار کر لوں گا۔ اب میں تم کو کھلم کھلا بتلاتا ہوں کہ رینا ڈاکٹر ردی سے پیار کرتی ہے۔ راکیش تم ایک روشن دماغ اور تعلیم یافتہ نوجوان ہو۔ کیا تم نہیں مانو گے کہ رینا صرف ردی کے ساتھ ہی خوش رہ سکتی ہے۔ راکیش میں تمہیں ایک بات اور بتا دوں کہ میں نے بھی رینا کو اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے اور اس منگنی کے ہو جانے کے بعد میں بیان نہیں کر سکتا کہ کس قدر خوشی مجھے ہوئی تھی اور اب میں اپنے دل پہ پتھر رکھ کر کہہ رہا ہوں کہ رینا کی شادی ردی سے ہی ہونی چاہیئے۔ میرے ساتھ رینا کسی بھی حالت میں خوش نہیں رہ سکتی۔ میں نے بہت غور و خوض اور سوچ وچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں رینا سے شادی نہ کروں۔"

اتنا کہہ کر ہریش نے رینا کے خط اور رینا اور ردی کی پارک کی ملاقات کی بابت سب کچھ بتلا دیا۔ یہ سب سن کر راکیش سناٹے میں آ گیا۔ ہریش نے دیکھا کہ اس کے نتھنے پھول گئے ہیں اور اس کا چہرہ غصے سے تمتما گیا ہے۔ غصے کی شدت سے کانپتے ہوئے وہ بولا۔

"ہریش میں کچھ نہیں جانتا۔ رینا اگر شادی کرے گی تو صرف ہریش سے۔ ورنہ میں اس کو جان سے مار ڈالوں گا۔ اور خود بھی خودکشی کر لوں گا میں اس ردی کے بچے کو بھی فنا کرکے چھوڑ دوں گا۔"

ہریش خاموش رہا اور قدرے توقف کے بعد اپنے غصے پر قابو پاکر راکیش نے پھر کہنا شروع کیا۔

"ہریش بابو آپ تو جانتے ہیں کہ رینا کس قدر معصوم اور بھولی ہے۔ وہ اپنے بھلے برے کو قطعاً نہیں سمجھ سکتی۔ وہ ردی کے جھانسوں میں آ گئی ہو گی۔ ردی نے اسے سبز باغ دکھائے ہوں گے۔ میں حیران ہوں کہ تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ رینا تمہارے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔"

"اچھا بھئی دیکھ لیں گے جیسا ہو گا۔ میں خود ردی سے ملوں گا۔" ہریش بولا۔

ہریش راکیش کو خوب سمجھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ راکیش ایک زود رنج اور پہلے درجے کا حساس شخص ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ راکیش نے جو کچھ کہا ہے وہ خالی خولی دھمکی ہی نہیں بلکہ وقت آنے پر راکیش سب کچھ کر گزرے گا۔ برعکس اس کے ہریش ایک فہیم اور دور اندیش نوجوان تھا۔ وہ ہر معاملے کی تہہ تک پہنچ جانے کا عادی تھا۔ یہ بات اس پر روز روشن کی طرح آشکارا ہو گئی تھی کہ ردی اور رینا ایک دوسرے کو سچے دل سے پیار کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ ایک ولین کا کردار نہیں ادا کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر رینا سے اس کی شادی ہو بھی گئی تو تین زندگیاں بالکل برباد ہو جائیں گی۔ رینا کی، ردی کی اور اس کی اپنی اور شادی نہ ہونے کی صورت میں اس کی صرف اپنی زندگی برباد ہو گی۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ رینا کی محبت وہ اپنے دل سے نہیں نکال سکتا۔ مگر زبردستی کی شادی کا وہ قائل نہیں تھا۔

اب وہ اس بات پر کمربستہ ہو گیا تھا کہ جس طرح بھی ہو روی اور رینا کو ایک ہونے میں مدد دے۔ یہ سب کچھ تو تھا مگر ہریش شادی سے صاف انکار کرنے کی بابت کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ دلباغ رائے کو وہ اپنے والد کی مانند سمجھتا تھا۔ اور راکیش کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار تھا اس لئے صاف منکر ہو کر وہ ان دونوں کا دل نہیں توڑ سکتا تھا۔ وہ ایک ایسے موقعے کا منتظر تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ گھر لوٹ کر راکیش نے اپنے والدین کو وہ سب کچھ بتا دیا۔ جو اس نے ہریش سے سنا تھا۔ اس نے رینا سے بھی پوچھ تاچھ کی اور اس کے اقرار کرنے پر کہ وہ واقعی روی سے پیار کرتی ہے دو تین طمانچے اس کے منہ پر جڑ دیئے۔ رینا کے والدین نے صاف الفاظ میں اس کو بتلا دیا کہ اب اس کو ہریش سے ہی شادی کرنا ہو گی اور روی کا خیال ہر قیمت پر دل سے نکالنا ہو گا۔ انہوں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہریش سے اس کی منگنی مشتہر ہو چکی ہے۔ اور ایسے حالات میں منگنی فسخ ہو جانے سے اُن کی بہت بدنامی ہو گی۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ لوگ سو مین میخ نکالیں گے۔ کوئی کہے گا لڑکی میں نقص ہے۔ اور کوئی بے چارے ہریش کی عیب جوئی کرے گا۔ رینا کے والدین نے اس کو یہ بھی کہا کہ اگر وہ کسی بھی وجہ سے ہریش سے شادی کرنے سے انکار کرے گی۔ تو اپنے ماں باپ کو مردہ ہی دیکھے گی۔ راکیش نے رینا کو بتلایا کہ محبت وحبت کوئی چیز نہیں ہے یہ صرف ناپختہ ذہنوں کی تخلیق ہے اور جوانی کی بھول ہے۔ دراصل محبت وہ ہے جو

شادی کے بعد پتی پتنی میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ محبت دائمی اور پائیدار ہوتی ہے۔ راکیش نے رینا کو یہ بھی بتلایا کہ اگر اسے زندہ رکھنا چاہتی ہے تو اسے ہریش سے ہی شادی کرنا پڑے گی اور اس کے سامنے اقرار کرنا پڑے گا کہ اس نے کبھی روی سے پیار نہیں کیا۔ رینا بیچاری چپ چاپ سب کچھ سنتی رہی اور منہ سے اس نے ایک لفظ تک نہ نکالا۔

اب راکیش نے ہریش کو ایک مفصل خط لکھا جس کا لُب لباب یہ تھا۔

"کہ وہ روی اور رینا کے قصّے کو بالکل بھول جائے رینا خوشی سے اس سے شادی کرنے کو تیار ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ راکیش اور اس کے والدین زندہ رہیں۔ تو تمام باتوں کو فراموش کر کے اسے رینا سے ہی شادی کرنا پڑے گی اور اگر وہ یہ برداشت کر سکتا ہے کہ راکیش رینا اور ان کے والدین جہنم میں جائیں تو پھر وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔"

اب ہریش بھی مکمل طور سے سمجھ گیا تھا کہ یہ گتھی آسانی سے سلجھنے والی نہیں۔ وہ ایک عجیب الجھن میں پھنس گیا تھا۔ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ حالانکہ پارک میں روی اور رینا کی ملاقات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور اُن کی باتیں سن کر ہریش کو کسی حد تک یقین آگیا تھا۔ کہ روی اور رینا کا پیار سچا ہے۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی وہ سوچنے لگتا کہ ہو سکتا ہے کہ روی محض رینا کی جوانی سے کھیلنا چاہتا ہو اور اس سے صرف اپنے جذبات کی تسکین چاہتا ہو لہٰذا قطعی کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے وہ مزید اطمینان بھی کرنا

چاہتا تھا کہ رینا اور رردی کا پیار سچا ہے۔ یا رردی محض رینا کی معصومیت سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

...........۞...........

بائیسواں باب

روی نے اب اپنا ذاتی نرسنگ ہوم کھول لیا تھا۔ امیش کی اور اس کی مشترکہ پریکٹس تھی۔ روی امیش کو مہینے میں ایک ہفتے کے لئے گردو نواح کے دیہات میں بھیج دیتا اور وہاں جاکر وہ غربا اور حاجتمندوں کا علاج مفت کرتا۔ ادویات بھی وہ ان کو مفت تقسیم کرتا۔ روی اور امیش کی مشترکہ پریکٹس دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی کئی ہزار روپے ماہانہ کی آمدنی تھی۔ روی کے مقابلے کا سرجن اور فزیشین دور دور تک بھی ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا۔ پیچیدہ اور نازک آپریشن کرنے میں وہ اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ اپناش مہگل بھی ایک ماہر ڈاکٹر تھا مگر آپریشنز کے معاملے میں وہ بھی روی کا لوہا مانتا تھا۔ امیش بھی اپنی جگہ ایک ہوشیار اور معاملہ فہم ڈاکٹر تھا۔

ششما اور اُمیش ازدواجی رشتے میں منسلک ہو گئے تھے اور اب اُمیش اور ردی کا سمبندھ اور بھی مضبوط اور گہرا ہو گیا تھا۔ ششما ایم۔ اے پاس کر چکی تھی۔ امیش نے ایک شاندار بنگلہ کرایہ پہ لیا تھا اور وہ ششما کے ساتھ ایک پُر طرب اور بامسرت زندگی گذار رہا تھا۔ امیش نے اپنی والدہ کو بہت سمجھایا تھا کہ وہ اب ملازمت ترک کر دے مگر وہ نہیں مانی تھی، امیش کی اقتصادی حالت اب بہت حد تک سدھر گئی تھی۔ لوگوں کا قرضہ لوٹا دیا گیا تھا امیش کی والدہ اور اس کے بھائی بہن اب بھی پرانے مکان میں رہ رہے تھے امیش اپنی والدہ کو گھر خرچ کے لئے ۵۰۰ روپیہ ماہوار دیتا تھا۔ ششما کی شادی پر اندر بھی ترشلا اور بچوں کے ساتھ آیا تھا۔ کملا اور بملا اور ان کے خاوند اور بچے بھی آئے تھے۔ شریمتی ساوتری دیوی بھی تشریف لائیں تھیں۔ مہندر نے لندن سے مبارکباد اور تحائف بھیجے تھے۔ مہندر نے اب لندن میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس نے ایک انگریز عورت مس ہلن سے شادی کر لی تھی اور ایک مقامی کالج میں بطور پروفیسر تعینات ہو گیا تھا۔

ہرنیدر گو کہ اس کی سزا میں کچھ تخفیف ہونے کی وجہ سے جیل سے چھوٹ گیا تھا اور ایک بار اپنے گاؤں بھی گیا تھا مگر اس کے بعد اسے کسی نے نہیں دیکھا۔

اندر بے چارے کی مالی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دائم المریض تھا۔ خود کھیتی نہ کر سکتا تھا اور محض بٹائی پر گھر کا گذارہ چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی غیرت نے کبھی یہ گوارہ نہ کیا تھا کہ ردی وغیرہ کی مدد قبول کرے۔

ہریش ایک روز اپنے شہر آیا ہوا تھا۔ یکایک اس کے جی میں آئی کہ روی سے ملے اور اس سے تفصیلی بات چیت کرے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی نئی ایمبیسیڈر کار نکالی اور خود ہی ڈرائیو کرتا ہوا روی کے نرسنگ ہوم کی طرف روانہ ہو گیا۔ بد قسمتی سے چوراہے پر اس کی کار کی ٹکر ایک ٹرک سے ہو گئی۔ سامنے سے تیز رفتاری سے ٹرک اچانک آن پڑا تھا۔ ہریش کا خیال تھا کہ ٹرک ڈرائیور خود ہی ٹرک کو سڑک سے نیچے اتار لے گا۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا اور انجام کار حادثہ ہو ہی گیا۔ ہریش کی کار چکنا چور ہو گئی۔ اور اس کے سر، چھاتی اور جسم کے بہت سے حصوں پر شدید ضربات آئیں کار کا شیشہ ان کی دائیں آنکھ میں گھس گیا اور سڑک پر گرم اور تازہ خون کی ندی سی بہہ گئی۔ ٹرک ڈرائیور کو بھی کافی چوٹیں آئیں۔ چونکہ غلطی صاف طور سے ڈرائیور کی تھی اس لیے اسے فوراً حراست میں لے لیا گیا۔ لوگوں کی کافی بھیڑ جائے وقوع پر اکٹھی ہو گئی تھی مگر سب کی زبانیں مقفل معلوم ہوتی تھیں۔ سب کے چہرے اداس تھے۔ آخر ایک شخص نے ہریش کو اپنی کار میں ڈالا اور فوراً میڈیکل کالج پہنچا دیا۔ اب ہریش کے والد۔ دلبانغ رائے اور رینا وغیرہ کو بھی حادثہ کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ سب میڈیکل کالج پہنچ گئے تھے۔ بد قسمتی سے پروفیسر سرجری چھٹی پر تھے۔ اور ہریش کی آنکھ اور دیگر ضربات کا فی الفور آپریشن ہونا تھا۔ ہریش کے والد اور دلبانغ رائے وغیرہ کا دیگر ڈاکٹروں پر اعتبار نہ جمتا تھا۔ میڈیکل کالج کے کئی ڈاکٹروں نے ہریش کے والد کو رائے دی کہ وہ اس کو فوراً سے پیشتر روی کے نرسنگ ہوم میں لے جائیں۔ چنانچہ ہریش کو فوراً روی کے نرسنگ ہوم لے جایا گیا۔

ریٹائرڈ ڈائریکٹر ایگزیکیٹو انجینئر دلباغ رائے جو راکیش سے رینا اور روی کی محبت کی بابت سب کچھ جان چکے تھے ایک نہایت گہری سوچ وفکر میں مبتلا ہو گئے۔ ان کو رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ روی جان بوجھ کر کوتاہی سے کام لے اور ہریش جانبر نہ ہو سکے۔ مگر ساتھ ساتھ ان کو یہ بھی احساس تھا کہ ایک اتنا کامیاب اور مشہور ڈاکٹر کبھی ایسا کرنے کی بابت سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہریش کے والد کو رینا اور روی کے پیار کی بابت کچھ معلوم نہیں تھا۔ رہی رینا۔ حالانکہ وہ روی کے بلند کیریکٹر اور اعلیٰ ظرف سے بخوبی واقف تھی مگر پھر بھی اس نے روی سے کہا تھا "روی ہماری محبت رسوا نہ ہونے پائے۔ تم ہریش کا علاج پوری دیانتداری اور تندہی سے کرنا" روی رینا کی زبان سے ایسی باتیں سن کر حیران وششدر رہ گیا تھا۔ اس نے جواباً کہا تھا "ڈاکٹری کے پیشے کی بنیاد ایک اعتماد بھروسے اور یقین پر قائم ہے زندگی دینے والا اور لینے والا تو بھگوان ہے مگر شہرت یا بدنامی ڈاکٹر کی ہوتی ہے۔ جو ڈاکٹر یا حکیم جان بوجھ کر اپنے فرض میں کوتاہی کرتا ہے اس سے ذلیل۔ کمینہ اور نیچ انسان شاید کوئی نہیں ہو۔ آج بھگوان نے مجھے ایک نہایت سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ہریش بابو کو کہیں اور لیجایا جائے اور میری تمام تر کوششوں کے باوجود اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو صرف ڈاکٹری کا پیشہ ہی بدنام نہیں ہوگا۔ بلکہ محبت بھی رسوا ہو جائے گی۔ رینا میں نے تمہیں سچے دل سے پیار کیا ہے اور ایسی حالت میں میرا یہ اور بھی زیادہ فرض ہو جاتا ہے کہ میں اپنا تمام فن اور ہنر ہریش کا علاج کرنے کے سلسلے میں بروئے کار لاؤں۔ اگر کوئی اپنے رقیب کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر اس کی زندگی سے کھیلتا ہے تو اس کا مطلب صاف طور سے یہ ہے کہ اسے

اپنی محبوبہ سے سچا پیار نہیں ہے بلکہ وہ اس کے جسم سے پیار کرتا ہے اور اپنے رقیب کو راستے سے ہٹا کر وہ اپنی محبوبہ کا جسم حاصل کرنے کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے۔ میری حالت اس جج جیسی ہے جس کے پاس ظاہرا طور پر کوئی سفارش پہنچ جائے اور وہ ایمانداری سے فیصلہ سفارش کو بالکل نظر انداز کر کے سفارش پہنچانے والے کے حق میں کرے۔ مگر لوگ یہی سمجھتے رہیں کہ فیصلہ سفارش کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

ردی کو اتنی باتیں کرنے کے لئے وقت اس وجہ سے مل گیا تھا کہ اس نے امیش کو چند ضروری ہدایات دے کر آپریشن کا سامان تیار کرنے کو کہا تھا۔ امیش کے اس کو آپریشن تھیٹر میں بلانے پر وہ پوری توجہ، انہماک اور سرگرمی سے اپنے کام میں جٹ گیا۔ امیش اس کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا ہریش کو اب تک ہوش نہ آیا تھا۔ ردی نے اس کی آنکھ کا شبشہ صاف کیا اور سر اور چھاتی کے زخموں کو دھو کر مرہم پٹی کی۔ ضروری ضروری زخموں کا ردی نے فوراً آپریشن کر دیا۔ ہریش کے جسم سے کافی خون نکل چکا تھا اور خون کی کمی اور نقاہت کی وجہ سے اس کا جسم سفید پڑ گیا تھا۔ نلکیوں کے ذریعہ گلوکوز ہریش کے اندر پہنچایا جا رہا تھا۔ ردی نے امیش کو بلڈ بنک سے خون لانے کو کہا مگر یہ جان کر وہ نہایت مایوس اور آزردہ ہوا کہ بلڈ بنک میں ہریش کی موافقت کا خون موجود نہیں ہے۔ ہریش کے والد کا خون بھی اس کے خون سے میل نہیں کھا سکا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر ردی کی نظر امیش کی طرف گئی امیش نے بغیر کسی کے کہے ہی اپنا خون ٹیسٹ کروایا اور یہ معلوم کر کے ردی کی خوشی کی حد نہ رہی کہ امیش کا خون ہریش کے خون سے ملتا ہے۔ امیش جانتا تھا کہ ردی کو سرخرو دیکھنے کے لئے اس کے لئے لازم ہے کہ اپنا خون پیش کرے اور

اس طرح وہ دوستی کا بھی کچھ حق ادا کر سکے گا۔ آخر امیش کے جسم سے کافی مقدار میں خون نکالا گیا اور نلکیوں کے ذریعے ہریش کے جسم میں پہنچایا گیا۔ اب رات کے ۱۱ بج چکے تھے۔ یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد بھی ردی جانتا تھا کہ ہریش مکمل طور سے خطرے سے باہر نہیں ہے اس لئے اس نے ہریش کے والد اور دیگر لوگوں کو بتلا دیا تھا کہ یہ رات امید و بیم کی رات ہے۔

اگلی صبح ہریش کو ہوش آگیا اور پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت سدھرنے لگی دو تین روز بعد راکیش بھی اطلاع ملنے پر آ پہنچا اور ردی کے نرسنگ ہوم میں ہی ایک روز کے لئے ہریش کے پاس ٹھہرا۔ مکمل طور سے اطمینان ہو جانے کے بعد کہ ہریش کے علاج معالجے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں ہو تی جا رہی وہ اپنی ملازمت پر واپس چلا گیا۔ جانے سے پیشتر اس نے ہریش سے کہا کہ جتنی بار بھی ممکن ہو سکا وہ اسے دیکھنے آئے گا۔

ہریش تقریباً دو مہینے تک ردی کے نرسنگ ہوم میں انڈور رہا اس کے بعد وہ مکمل طور سے شفایاب ہو گیا۔ قیمتی سے قیمتی مقوی ادویات اور تر و تازہ پھل ردی ہریش کے لئے مہیا کرتا تھا اور اس کی انتھک اور جان توڑ کوشش کے طفیل ہریش کی صحت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی تھی۔ ہریش کو اس عرصہ میں اچھی طرح سے معلوم ہو گیا کہ ردی انسان نہیں دیوتا ہے۔ ایسا درد مند دل رکھنے والا انسان آج تک اس کی نظر سے نہ گزرا تھا۔ وہ سچے دل سے اس کا گرویدہ ہو گیا تھا اور اس کو اپنا محسن گر داننے لگا تھا۔ اب اس کو مکمل طور سے یقین ہو گیا تھا کہ ردی جیسا انسان کسی سے جھوٹا پیار نہیں کر سکتا۔ اب اسے کسی قسم کا شک نہ رہا تھا کہ ردی کا رینا سے پیار صادق جذبات پر مبنی ہے۔ اس نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ ردی اور رینا کو ایک کر کے رہے گا۔

دیا شنکر رائے ایک روز موقع پا کر روی سے ملے اور اس سے کہا۔
"ڈاکٹر صاحب آپ نے ہریش بابو کی جان بچانے کے لئے جو کچھ کیا ہے اس احسان کا بدلہ ہم اس جنم میں نہیں اتار سکتے۔ آپ اس کو موت کے منہ سے چھین لائے ہیں۔ آپ کے دوست ڈاکٹر امیش نے اپنا خون دے کر اس کی جان بچائی ہے۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ آپ ہم سے کچھ بھی طلب کر سکتے ہیں۔ ہمارا سب کچھ آپ کا ہی ہے۔ مگر ضرورت کچھ ایسی آن پڑی ہے کہ مجھے آپ سے ایک اور بھیک مانگنا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں رینا اور ہریش کی منگنی کا اعلان کر چکا ہوں اور اب سب دوستوں اور رشتہ داروں کو اس منگنی کا علم ہے۔ لہذا اب یہ منگنی توڑنا کسی بھی حالت میں مناسب نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اور رینا ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ مگر پھر بھی میں چاہوں گا کہ آپ رینا کو سمجھائیں کہ وہ ہریش سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب آپ یقین جانئے اگر میں ہریش اور رینا کی منگنی کا اعلان نہ کر چکا ہوتا تو مجھے آپ کو اپنا داماد بنانے میں اتنی خوشی ہوتی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"
روی نے دیکھا کہ یہ سب کچھ کہتے ہوئے دیا شنکر رائے صاحب کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے تھے۔ روی کا غمگسار دل پسیج گیا۔ وہ جھٹ سے بولا۔
"آپ اطمینان رکھیئے قبلہ۔ میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ رینا ہریش ہی سے شادی کرے۔"

"بیٹا میں تمہارا احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔"
راکیش نے بھی ایک روز روی سے اسی قسم کی التجا کی اور روی نے اسے بھی یقین دلایا کہ وہ رینا کو ہر ممکن طریقے سے سمجھائے گا۔
ہریش ابھی تک نرسنگ ہوم میں ہی تھا۔ روی اور ہریش دونوں ہی

ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی سوچ رہے تھے۔ روی چاہتا تھا کہ رینا کی شادی ہریش سے ہو اور ہریش چاہتا تھا کہ وہ روی سے شادی کرے۔

ایک روز باتوں باتوں میں ہریش نے روی سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اس کے بدلے آپ مجھ سے کچھ مانگیں۔ اگر میں آپ کی خواہش کو پورا کر سکا تو میں سمجھوں گا کہ میرا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا ہے"

روی نے کچھ اس طرح کا جواب دیا۔

"ہریش بابو میری خواہش یہی ہے کہ آپ جلد از جلد رینا سے شادی کر لیں۔ اگر آپ نے کبھی اور کسی وجہ سے کبھی اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تو آپ میرے دل کو ایک زبردست ٹھیس پہنچائیں گے۔

اور ایک دوست ہونے کے ناطے میری آپ سے یہ مانگ ہے اور مجھے امید کامل ہے اور یقین واثق ہے کہ اسے آپ ضرور پورا کریں گے۔

"ڈاکٹر صاحب اپنے لئے بھی تو کچھ مانگئے یا صرف آپ نے دان کرنا ہی سیکھا ہے"

"ہریش بابو میں آپ کے پہلے سوال سے ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ کو میرے اور رینا کے پیار کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ ایسا ہو جانے پر بھی میں کوئی سبکی نہیں محسوس کر رہا۔ کیونکہ پیار کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ مگر یہ قطعی ضروری نہیں کہ پیار کرنے والے شادی بھی ضرور کریں۔ اگر پیار شادی کرنے کے لئے ہی کیا جاتا ہے۔ تو پھر یہ پیار نہیں بلکہ پرلے درجے کی خود غرضی ہے۔"

اور اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ آپ کو رینا سے شادی کرنا ہی

پڑے گی اور ضرور کرنا پڑے گی۔ میں یہ بات اپنی دل کی گہرائیوں سے کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ کے دل میں میری ذرا بھی عزت ہے تو آپ میری خواہش کو ضرور پورا کریں گے۔

اب ہربش کے لئے سوائے چپ رہنے کے کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ ردی اور رینا کا تعاون ملنے کی اب اسے کوئی امید نہ رہی تھی اور وہ سوچنے لگا تھا کہ اسے خود ہی کوئی تدبیر رینا اور ردی کو ملانے کی سوچنا پڑے گی۔



تیسواں باب

اندر کی دونوں بڑی لڑکیاں اوما اور کانتی جوان ہو چکی تھیں۔ ہمارے دیہاتوں میں یہ عام رواج ہے کہ جہاں لڑکیاں ۱۳، ۱۴ سال کی عمر کی ہوئیں وہاں ان کی شادیاں رچا دی گئیں۔ اوما اور کانتی کے جوان ہو جانے سے اندر کی رات کی نیند اور دن کا چین حرام ہو گیا تھا۔ ویسے ہی وہ اپنی متواتر گرتی ہوئی صحت کی وجہ سے پریشان رہتا تھا کہ یہ ایک اور فکر لاحق ہو گیا۔ کنبہ بہت بڑا تھا اور آمدنی قلیل اس لئے گھر خرچ چلانے میں بڑی دشواری پیش آ رہی تھی۔

چونکہ اندر کا کوئی بچہ کبھی میٹرک تک بھی نہ پڑھ سکا تھا۔ اسے اب بخوبی احساس ہو چلا تھا کہ انسان کو اتنے ہی بچے پیدا کرنے چاہئیں جن کا وہ کفیل ہو سکے۔ اسے اب رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ کاش وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر اس کی شادی بچپن میں

نہ ہو جاتی اور سن صغری میں ہی وہ گھر گرہست کے چکتر اور جنجال میں
نہ پھنس جاتا۔ اگر شادی تعلیم پوری کرنے کے بعد ہوتی تو پھر اس عمر میں
ہی اس کے اتنے بچے پیدا نہ ہوتے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ جو کچھ ہونا
تھا وہ تو ہو چکا تھا۔

ایک روز اندر اپنی بیٹھک میں بیٹھا ہوا حسب معمول سوچ و فکر
میں مستغرق تھا کہ ترشلا اس کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"اب تو رُوما اور کانتا کی شادی کی فکر کرنی ہی چاہیئے۔ جوان
لڑکیوں کو یوں گھر میں بٹھائے رکھنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ جتنے منہ اتنی
باتیں۔"

"تو تمہارے خیال میں مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں۔ ہر وقت اور
ہر گھڑی یہی فکر مجھے ستائے جاتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جتنا پیسہ لوگ
مانگتے ہیں کہاں سے لاؤں۔ جتنا نقد روپیہ اور زیور گھر میں تھا سب
ختم ہو چکا ہے۔ ان دونوں کی شادی میں کم از کم ۳۰ ہزار روپیہ درکار
ہوگا۔"

"تو پھر روی سے قرض لے لو۔ سنا ہے وہ تو بڑا ڈاکٹر بن گیا ہے
کیا وہ ضرورت کے وقت بھی بھائی کے کام نہ آئے گا؟"

"میں حیران ہوں ترشلا کہ کس منہ سے تم یہ بات کہہ رہی ہو۔ تمہیں شرم
اور لاج بھی نہیں آتی۔ کیا تم نے مجھے اس قابل چھوڑا ہے کہ میں کسی بھائی
بند کی مدد لے سکوں۔ خواہ کچھ بھی ہو میرا منہ تو روی وغیرہ کے سامنے
کوئی ایسی بات کہنے کے لئے کھل نہ سکے گا۔"

"تو پھر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ کچھ تو سوچنا ہی پڑے گا۔"

"میں سب سوچ چکا ہوں۔ اب سوائے اس بات کے کوئی چارہ نہیں کہ زمین کا ۵ بیگھے والا ٹکڑا فروخت کر دوں۔ پتاجی زندہ ہوتے تو ایسا کبھی نہ کرنے دیتے اور میری اور ان کی جان ایک کر دیتے۔ ہمارے ہاں بزرگوں کی زمین کو بیچنا اپنی لڑکی بیچ دینے کے مترادف ہے۔ مگر اب تو دل پر پتھر رکھ کر یہ سب کرنا ہی پڑے گا۔ بنواری سے میں نے بات چیت کی ہے وہ اس قطعۂ اراضی کے ۳۰ ہزار روپے دینے کو تیار ہے۔"

"تو پھر سوچنا ہی کیا؟ زمین بیچ ہی ڈالئے۔"

"میرا خیال ہے کہ اوما اور کانتی کی شادی ساتھ ساتھ ہی کر دوں۔ بنواری کہہ رہا تھا کہ اس کے ماموں کے دو لڑکے ہیں جن میں سے ایک تو بنک میں اکاؤنٹنٹ ہے اور دوسرا کھیتی باڑی کرتا ہے۔ وہ لوگ بھی دونوں لڑکوں کی شادی اکٹھی کرنے کے خواہشمند ہیں۔"

آخر اندر نے اپنی ۵ بیگھہ اراضی بنواری کے ہاتھوں فروخت کر دی اور نقد ۳۰ ہزار روپیہ حاصل کر لیا۔ بنواری کی معرفت اوما اور کانتی کی شادی کی بات چیت بھی پکی ہو گئی۔

اراضی بیچنے کے کچھ روز بعد ایک دن اندر نے ترشلا سے کہا۔ کہ روپیہ لے آؤ تاکہ وہ اسے بنک میں جمع کروا دے۔ ترشلا روپیہ لینے کے لئے کمرے میں گئی اور یہ دیکھ کر اس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ کہ تمام ٹرنکوں کا سامان اِدھر اُدھر بکھرا پڑا ہے اور تالے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ پھر اس کی نظر اوپر اٹھی تو دیوار میں اسے ایک بڑا سا شگاف نظر آیا اور اب سارا معاملہ یک دم اس کی سمجھ میں آ گیا وہ حد سے زیادہ گھبرا گئی اور دوڑی دوڑی پتی کے پاس آئی۔ اس نے سارا ماجرہ بتا

سے کہہ سنایا۔ اندر بھاگ کر کمرے میں آیا اور وہاں سے حالات دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے بنواری کو بلایا اور اس کی مدد سے ٹرنکوں کا بچا کھچا سامان باہر نکالا مگر وہ ۳۰ ہزار روپے نہ ملے۔ وہ سر پکڑ کر وہیں زمین پر بیٹھ گیا اور "ہائے میں لٹ گیا ہائے میں برباد ہو گیا" کا شور مچانے لگا۔ کافی سے زیادہ لوگ اکٹھے ہو گئے اور اسے سمجھانے لگے۔ پولیس میں رپورٹ لکھوانے کے لئے کہا۔ اور اندر بنواری کے ساتھ رپورٹ لکھوانے چلا گیا۔

جب اندر رپورٹ لکھوا کر واپس آیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے آ رہا ہے۔ اس نے صحن میں پڑی ایک چارپائی پر اپنے آپ کو گرا دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ بچوں کی مانند چلا رہا تھا اور عورتوں کی مانند اپنا سینہ کوبی کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں بیوی کھانا لے کر آئی۔ اندر کی حیرانی کی حد نہ رہی کہ گھر میں اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی ترشلا کو کھانے کی سوجھی ہے۔ اور یہ جان کر تو وہ آتش پا ہو گیا کہ بیوی اس سے پیشتر کھانا کھا بھی چکی ہے۔ اسے حد سے زیادہ غصہ آیا اور ایک بھرپور ہاتھ اس نے کھانے کی تھالی پر مارا۔ تھالی دور جا کر گری اور روٹیاں اور سالن زمین پر بکھر گیا۔ پھر وہ بیوی پر برس پڑا اور گویا ہوا۔

"حرام زادی تجھے شرم نہیں آتی۔ بے شرم عورت نجانے تو نے روپے کہاں رکھ دیئے تھے کہ اتنی آسانی سے چوری ہو گئے۔"

"ہاں اب تو سب قصور میرا ہی ہے۔ میں نے کب رکھنے کے لئے کہا تھا۔ خود رکھ لئے ہوتے۔ میں نے تو چوری کر نہیں لئے۔"

"چپ رہ۔ نیچ۔ کمینی۔ بدذات۔ تو نے میرے گھر کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔ تو نے ہی میرے پتا جی کی جان لی اور تو ہی اب میری جان کے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی ہے۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو۔ میرے بھی منہ میں زبان ہے مجھے کوئی گالی والی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اب اندر غصے سے بے قابو ہو چکا تھا۔ اس کا چہرہ تمتما گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر دو تین زناٹے دار طمانچے بیوی کے گالوں پر جڑ دیئے اور پھر گھونسوں اور لاتوں کی بارش شروع کر دی۔ وہ ساتھ ساتھ گالیاں بھی دیتا جا رہا تھا۔ اوما اور کانتی سب دیکھ رہی تھیں۔ مگر ان کی مجال نہ تھی کہ کچھ بول سکیں چھوٹے چھوٹے بچے سہم گئے تھے۔ مار کھا کر ترشلا وہیں لیٹ گئی اور اندر کو کوسنے دینے لگی۔ اندر کا غصہ اب بھی ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ وہ غصے میں کہنے لگا۔

"بیہودہ کی بچی میں تیری جان لے کر چھوڑ دوں گا۔"

"یہ مجھ پر تمہارا بڑا بھاری احسان ہوگا۔ مگر یہ جو تم نے مجھے بیدردی سے مارا ہے میں بھی کہے دیتی ہوں کہ بھگوان اس کا بدلہ ضرور تم سے لے گا۔ تم کبھی بھی چین سے نہ رہ سکو گے۔ تم اپاہج اور کوڑھی ہو جاؤ گے۔

یہ سن کر اندر کے تن بدن میں آگ لگ گئی وہ غصے سے پاگل ہو گیا اور جھٹ لپک کر اپنی بندوق جس میں گولیاں پہلے سے ہی بھری ہوئی تھیں لے آیا۔ اس نے جھٹ سے ایک فائر بیوی پر کیا۔ گولی سینے کے پار ہو گئی۔ اور [illegible] دلدوز چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ پھر اس نے دوسرا فائر کیا۔ گولی کانتی کو لگی جو اتفاق سے بیچ میں آگئی تھی۔ وہ بھی زمین پر گر پڑی۔ پھر

اپنے پاگل پن میں اس نے پے در پے دو تین گولیاں او ما پر چلائیں اور وہ بھی زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ اب وہ نہایت بھیانک اور ڈراؤنے قہقہے مار کر ہنسنے لگا۔ وہ فی الواقعی پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے کپڑے تار تار کر دیئے اور پھر اپنے آپ کو بھی بندوق کی گولیوں سے ختم کر لیا۔ یہ سب کچھ آنکھ جھپکنے میں ہو گیا۔

نگیندر بھون کے صحن میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بری طرح سہم گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ آن کی آن میں لوگوں کا جم غفیر نگیندر بھون کی عمارت میں اکٹھا ہو گیا۔ پولیس آگئی اور لوگوں کے بیانات قلمبند کئے گئے۔ روی اور ششما اور ان کی والدہ کو تار دے کر بلوایا گیا۔ کوئی بھی اس روح فرسا نظارے اور دلدوز اور المناک منظر کی تاب نہ لا سکا۔ روی، ششما، سادتری دیوی اور امیش سب ہی بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں پولیس نے اپنے قبضے میں لیں اور پوسٹ مارٹم کے لئے سول ہسپتال میں بھیج دیں۔ جہاں تک پولیس کا تعلق تھا معاملہ رفع دفع کر دیا گیا اور کاغذات فائل کر دیئے گئے۔

مگر نگیندر بھون میں ایک صفِ ماتم بچھ گئی۔ سادتری دیوی دو تین روز بعد ہی یہ غم اپنے سینے میں لئے اس جہان فانی سے کوچ کر گئی روی جیسا باحوصلہ نوجوان بھی ہمت ہار بیٹھا۔

اور اگر اسے امیش نہ سنبھال لیتا تو وہ بھی شاید اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

ششما نیم پاگل ہو گئی اور دیواروں سے اپنا سر ٹکرانے کی کوشش کرنے لگی۔ اگر امیش عین وقت پر اسے سنبھال نہ لیتا تو دیواروں سے

ٹکرا ٹکرا کر وہ اپنا سر ہی پھوڑ ڈالتی۔ روی ششما اور امیش تینوں ہی پتھر کی مورتی بن گئے تھے اور ان کو ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی قوت گویائی سلب کر لی گئی ہو۔

ملک کے لیڈنگ اخباروں میں اس ہولناک حادثے کی سنسنی خیز اور اور درد ناک خیز موٹی موٹی سرخیوں سے چھاپی گئی۔ اور یہ نمایاں طور پر لکھا گیا کہ یہ المناک حادثہ محض اس وجہ سے ہوا کہ متوفی اِندر کا کنبہ بہت بڑا تھا اس کے گھر میں بچوں کی بھرمار تھی مگر اقتصادی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے وہ اپنے کنبے کی کفالت نہ کر سکتا تھا۔

جس نے بھی اس رونگٹے کھڑے کر دینے والی خبر کو پڑھا غم میں ڈوب گیا اور اس سانحے سے عبرت لینے کی بابت سوچنے لگا۔ بشمبر اور اسکے ساتھیوں نے اس حادثے کے ظہور پذیر ہونے سے خوشی میں جھوم کر ایک راگ اور رنگ کی محفل سجائی۔

وقت کا مرہم بڑے سے بڑے زخم کو بھی مندمل کر دیتا ہے۔ نگینہ رر بھون کو تالا لگا دیا گیا۔ اور روی۔ ششما۔ اور امیش، اِندر کے باقی بچوں کو ساتھ لے کر واپس لوٹ گئے۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ کچھ دن بعد اندر کی روح نے نگینہ ر بھون کا طواف کرنا شروع کر دیا اور رات کے وقت طرح طرح کی آوازیں نگینہ ر بھون سے بلند ہونے لگیں۔



چوبیسواں باب

کالے کالے بادلوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں نیلے آسمان کے وسیع سمندر میں تیر رہی تھیں ۔ عجیب خوشگوار ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ۔ جو روح کو بالیدگی بخش رہی تھی ۔ قریب المرگ سورج جو بالکل بے جان سا ہو گیا تھا رہ رہ کر بادلوں کی پیٹ میں آجاتا ۔ بادل اس کو تنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے ۔ کبھی کھسکتے کھسکتے آکر اس کو دبوچ لیتے اور دھرتی پر اندھیرا سا چھا جاتا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیتے اور جملہ کائنات کچھ دیر کے لئے چمک اٹھتی ۔ دیکھتے دیکھتے آسمان پر سیاہ بادلوں کی ایک چادر سی تن گئی ۔ جیسے اس نے اپنا نیلا لباس اتار پھینک کر سیاہ جامہ زیب تن کر لیا ہو اور وہ کسی عزیز کا داغ مفارقت لئے ماتم کناں ہو ۔ صرف ماتم کرنے پر ہی اس نے اکتفا نہ کیا ۔ اب وہ پہلے آہستہ آہستہ اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا ۔ وہ اتنا رویا ۔ اتنا رویا کہ تمام کائنات

اس کے آنسوؤں میں غسل کر کے نکھر اٹھی ۔

راکیش جو آج کل ہولی کی چھٹیوں میں گھر آیا ہوا تھا اپنے ڈرائنگ روم کی مغربی کھڑکی کے پاس کھڑا یہ تمام نظارہ دیکھ رہا تھا اور لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یکایک کچھ سوچ کر وہ پیچھے کی طرف مڑا اور پاس رکھے ٹیلیفون کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ریسیور کان سے لگا کر وہ جواب کا انتظار کرنے لگا اُدھر سے آواز آئی ۔

" ہیلو ۔ ہریش سپیکنگ "

" ارے بھئی میں راکیش بول رہا ہوں ۔ کیوں ہریش کیسے ہو ؟ "

" کوائٹ فائن ۔ اور تم سناؤ ؟ "

" بس ٹھیک ٹھاک ۔ اور ہاں ہریش تم فوراً یہاں چلے آؤ ۔ آج کہیں باہر کسی اچھے ریستوراں میں کھانا کھانے کو جی چاہتا ہے ۔ اور وہاں سے پھر کسی پکچر دیکھنے چلیں گے "

" پروگرام تو بڑا شاندار ہے مگر یار میں نے آج ڈاکٹر ابیتاش کو ٹائم دیا ہوا ہے ۔ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی پروگرام ہے ۔ تم ایسا کرو کہ ڈاکٹر ابیتاش کے ہاں چلے آؤ ۔ میں بھی فوراً وہاں پہنچتا ہوں "

" اوکے ۔ یوں ہے ۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں "

ہریش پہلے سے ہی ڈاکٹر ابیتاش کے پاس جانے کے لئے تیار تھا اور راکیش کو فون کرنے کی بابت سوچ ہی رہا تھا کہ راکیش نے خود ہی اس سے بات کرنی شروع کر دی ۔

دونوں دوست ہولی کی چھٹیوں میں گھر آنے کے بعد اب تک ایک دوسرے سے مل نہ سکے تھے ۔ ہریش کی رہائش ڈاکٹر ابیتاش کے مطب کے

بالکل قریب ہی تھی مگر راکیش کے گھر کا فاصلہ وہاں سے ۲½ ، ۳ میل سے کم نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں راکیش کو ابھی تیار بھی ہوتا تھا۔ اس نے جھٹ پٹ منہ ہاتھ دھویا اور کپڑے بدل ڈالے۔ پھر اپنی کار خود ہی ڈرائیو کرتا ہوا ابناش کے مطب جا پہنچا۔ ڈاکٹر ابناش کا مطب اور رہائش ایک ہی جگہ تھیں اس نے ہریش کی کار کو وہاں پہلے سے ہی کھڑے دیکھا۔ اسے ڈاکٹر اور ہریش دور سے ہی مطب کے ایک کمرے میں بیٹھے دکھائی دیئے۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو اس کے کانوں میں یہ الفاظ پڑے۔

" مجھے افسوس ہے ہریش کہ میں اپنی سی تمام کر چکا مگر تمہارا علاج میرے پاس نہ ہے " یہ ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ ان الفاظ نے راکیش کو تعجب میں ڈال دیا اور وہ نہایت بے صبری سے ان کی مزید باتوں کو سننے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اپنی جگہ پر ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر اس نے اپنے آپ کو ایک دیوار کے پیچھے چھپا لیا۔ کچھ لمحات کے بعد ہریش بولا۔

" تو کیا ڈاکٹر میں بالکل ہی مایوس ہو جاؤں ؟ خفیہ امراض کو دور کرنے میں تم اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اگر تمہاری یہ رائے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے کبھی شادی کرنے کی بابت سوچنا بھی نہیں چاہئے "

" ہاں ہریش تم شادی کرنے کے بالکل ہی ناقابل ہو۔ میں نہایت افسوس اور دکھ کے ساتھ یہ انکشاف کرنے پر مجبور ہوں کہ فرائض زوجیت تم کسی بھی طرح انجام نہیں دے سکتے۔ میں نے بہترین اور قیمتی سے قیمتی دوائیں تمہیں کھلائی ہیں مگر نتیجہ صفر کا صفر ہی رہا۔ میرا خیال ہے کہ بچپن میں شاید تمہیں افیم کھلائی جاتی تھی "

" ہاں ڈاکٹر۔ ماتا جی بتلایا کرتی ہیں کہ بچپن میں مجھے رونے کی بہت

زیادہ عادت تھی۔ میں ساری ساری رات روتا رہتا تھا اور سب گھر والوں کی نیندیں حرام کر دیتا تھا اور پھر جب ماتا جی مجھے ذرا سی افیم کھلاتیں تو میں بے خبر ہو کر سو جاتا۔ مگر کیا ایسا ہونے سے آدمی اس قسم کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

"ہاں کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ خیر تمہیں ہمت نہیں ہارنی چاہئے میں ایک ریسرچ کر رہا ہوں۔ اگر کامیاب ہو گیا تو شاید کسی وقت تمہارا کامیاب علاج کر سکوں۔ فی الحال میں مجبور ہوں۔"

"اور تو ڈاکٹر کوئی بات نہیں۔ مجھے خیال صرف اس بات کا ہے کہ رینا سے میری منگنی کا اعلان ہو چکا ہے۔ اب کیا منہ لے کر اس سے شادی کر دوں۔ راکیش میرا نہایت عزیز دوست ہے۔ وہ مجھے بھائی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ نہ اقرار کرتے بنتی ہے اور نہ انکار کرتے۔ میں کروں تو کیا کروں۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، والا معاملہ ہو گیا ہے۔ عجیب پس و پیش اور الجھن میں پھنس گیا ہوں۔"

"ہاں بھئی مشکل تو واقعی پیدا ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں تمہارے لئے بہترین راستہ یہی ہے کہ راکیش سے صاف صاف بات کر لو اور اسے تمام حالات سے آگاہ کر دو۔"

"ہاں ڈاکٹر کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

ہریش اور ڈاکٹر ابتاش دونوں کو ہی اس بات کا علم ہو چکا تھا۔ کہ راکیش آ چکا ہے اور کمرے کے باہر دیوار کے پیچھے کھڑا ہوا ہے انھوں نے مصلحتاً اس کو اندر نہ بلایا تھا۔ راکیش یہ تمام باتیں سن کر جوں کا توں کھڑا رہ گیا تھا۔ شاید اس سے پہلے اسے تمام زندگی میں اتنا تعجب اور

افسوس نہ ہوا ہو۔ اسے اپنی دانست میں اب اس کی سمجھ میں آیا کہ ہریش کیوں
شادی سے معاملے میں ٹال مٹول کر رہا ہے۔ مرے مرے قدموں سے چلتا
ہوا آخر وہ کمرے کے اندر آیا اور اپنے آپ کو اس نے ایک کرسی پر گرا
دیا۔ اپنے چہرے پر بشاشت لانے کی اس نے ہر ممکن کوشش کی۔ وہ نہیں
چاہتا تھا کہ ہریش اور ابناش پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس نے ان کی باتیں
سن لی ہیں۔ پھر ان تینوں نے ایک مشہور ہوٹل میں کھانا کھایا۔

راکیش نے محسوس کیا کہ اس کی حالت دگرگوں ہوتی جا رہی ہے۔
اس لئے ہریش اور ڈاکٹر سے اجازت لے کر وہ اپنے گھر لوٹ آیا۔ پکچر
کا پروگرام ان کو منسوخ کرنا پڑا۔

رات کو دیر تک راکیش اپنے ڈیڈی کے پاس بیٹھا رہا اور دوران
گفتگو جو بھی کچھ اس نے ڈاکٹر ابناش کے مطب میں سنا تھا اپنے ڈیڈی کو
بتلا دیا۔ ان کو بھی کم تعجب اور افسوس نہ ہوا۔

پھر شریمتی پوجا دیوی راکیش کی ماں بھی ان کی باتوں میں شریک
ہو گئیں۔ اور اب انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی بھی حالت میں رینا کی
شادی ہریش سے نہ کریں گے۔ مگر غور طلب مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ خود شادی
سے انکار کیسے کریں۔

آخر ایک روز ہریش نے ہی راکیش کو سب کچھ بتلا دیا۔ اس نے یہ
بھی کہا کہ اسے ہرگز ہرگز یہ معلوم نہ تھا کہ اس کا مرض لا علاج ہے گو کہ اپنے
اس مرض کے متعلق اسے کچھ کچھ شک ضرور تھا اور اسی لئے مزید تسلی کے لئے
اس نے ڈاکٹر ابناش کو کنسلٹ کیا تھا۔ عام حالات میں شاید راکیش
ہریش کی باتوں پر یقین نہ کرتا مگر جو باتیں وہ خود اپنے کانوں سے سن چکا

تھا بھلا ان کو کیسے جھٹلا دیتا اس نے ہریش سے کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ شادی سے پہلے ہی سب کچھ ظاہر ہو گیا۔ ورنہ بے چاری رینا کہیں کی نہ رہتی" اس نے ہریش کی دلجوئی کرنے کی بھی کافی کوشش کی۔

اور پھر ایک دن ایک مشہور روزانہ اخبار میں یہ بھی اعلان کر دیا گیا۔ کہ رینا اور ہریش کی منگنی۔ فسخ کر دی گئی ہے۔ اعلان ہریش کے والد اور دلبانغ رائے صاحب کی طرف سے تھا اور یہ بھی تحریر کیا تھا۔ کہ چند نامساعد اور ناموافق حالات کی بنا پر ایسا کرنا پڑا ہے۔ لوگوں کو اصل وجہ نہ معلوم ہو سکی اور وہ صرف قیاس آرائیاں ہی کرتے رہ گئے۔

اب دلبانغ رائے صاحب شریمتی پوجا دیوی اور راکیش سب کی ایک ہی رائے تھی کہ رینا کے لئے روی سے بہتر لڑکا چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتا۔ روی منگنی کے ٹوٹ جانے کی خبر پڑھ کر انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ اصلی وجہ اس کو بھی معلوم نہ ہو سکی تھی۔ دلبانغ رائے خود روی کے پاس گئے اور اس سے خود اس کو رینا کے لئے مانگا۔ روی تھا کہ کسی بھی طرح ہاں کہنے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ منگنی ایک بار ہو چکنے کے بعد رینا ہریش سے شادی نہ کرے۔

مگر جب شریمتی پوجا دیوی نے جھولی پھیلا کر اس سے بھیک مانگی تو وہ مزید انکار نہ کر سکا اور اپنے آپ کو ان کے قدموں میں گرا کر کہنے لگا "ماتا جی مجھے زیادہ شرمندہ نہ کیجئے۔ میں تو آپ کے اپنے بیٹے کی جگہ ہوں۔ میری بھلا کیا مجال ہو سکتی ہے کہ آپ کے حکم سے باہر جاؤں۔

اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ روی اور رینا ازدواجی رشتے میں

منسلک کر دیئے گئے۔ شادی میں صرف خاص خاص لوگوں نے شرکت کی تھی اور نہایت خاموشی سے یہ رسم انجام پائی تھی۔ ہریش کچھ دنوں کی چھٹیاں لے کر گھر آیا ہوا تھا اور راکیش نے بھی بہن کی شادی کی وجہ سے کچھ دنوں کی چھٹیاں منظور کرا لی تھیں۔ دوران رسوم شادی ہریش ہر کام کے سلسلے میں پیش پیش رہا اور اپنے کسی بھی قول اور فعل سے اس نے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ ریناؔ اور رویؔ کی شادی ہو جانے سے وہ خوش نہیں ہے۔

خیر کچھ بھی ہوا۔ یہ تو تھا ہی کہ رویؔ اور ریناؔ کے دلوں کی مرادیں بر آئی تھیں۔ ان کی حالت اس امیدوار کی سی تھی جو اخبار میں اپنا نام کامیاب طلباء کی فہرست میں نہ دیکھ کر بالکل مایوس ہو جائے اور پھر کچھ دن بعد یونیورسٹی سے اس کے پاس اطلاع آئے کہ وہ امتحان میں کامیاب ہو گیا ہے۔ غلطی سے اس کا نام اخبار میں نہ چھپ سکا تھا۔

سہاگ رات کو وہ دونوں رات بھر جاگتے رہے تھے اور اس طرح ایک دوسرے سے لپٹے رہے تھے کہ جیسے انہیں ہر دم یہ ڈر ستاتا رہا ہو کہ ان میں سے کسی ایک کو کوئی اٹھا کر نہ لے جائے اور پھر شاید وہ کبھی نہ مل سکیں۔ جو کچھ ہوا تھا وہ ان دونوں کے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔ وہ بھگوان کا شکریہ ادا کرتے نہ تھکتے تھے۔ یہ ان کو آج ہی معلوم ہوا تھا کہ حد سے زیادہ خوشی کا سمیٹنا بھی کتنا مشکل ہوتا ہے اور ایسی حالت میں انسان کس قدر خوفزدہ رہتا ہے اور کتنے وسوسے اور اوہام اسے ستاتے رہتے ہیں۔ بے اعتباری اور ڈر اس پر قابو پائے رکھتے ہیں۔

اور ہریش اس بے چارے کی تو یہ حالت تھی کہ جیسے اس نے اپنے کسی قریبی عزیز کو خود ہی قتل کر دیا ہو۔ اور پھر اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام

بھی خود ہی کیا ہو۔ ہر وقت وہ اداس اداس سا رہتا۔ ابناش۔ ردی اور راکیش اس کی ہر طرح سے دلجوئی کرنے کی سعی کرتے مگر سب بے سود۔ اکثر یہ چاروں ایک ساتھ پروگرام بناتے۔

ایک روز ابناش ڈاکٹر ردی کے نرسنگ ہوم پہنچا۔ راکیش پہلے سے ہی وہاں موجود تھا۔ ابناش نے ایک تجویز ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ اگر ہریش اس کی بات مان لے تو اس کے تمام غم دور ہونے کا امکان ہے۔ اس نے کہا:

اس کی بیوی کی ایک سہیلی ہے جس کا نام دینا ہے دینا ایک انکم ٹیکس آفیسر کی لڑکی ہے۔ ہریش سے شادی کرنے کی خواہشمند ہے۔ دینا ایک جاذب نظر حسین اور شریف لڑکی ہے۔ امسال اس کا آئی۔ اے۔ ایس میں سلیکشن (انتخاب) ہو گیا ہے۔ اور اب ٹریننگ کے لئے مسوری گئی ہوئی ہے۔ مجھے انکم ٹیکس آفیسر صاحب خود ملے تھے اور مجھ سے کہا تھا کہ میں کوشش کر کے یہ رشتہ کروا دوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ دینا نے ہریش کو کسی پارٹی میں دیکھا ہے اور اب وہ اسے پسند بھی کرنے لگ گئی ہے۔ اگر تم دونوں اس کام میں میری مدد کرو تو یہ بیل منڈھے چڑھ سکتی ہے۔

راکیش یہ سب سن کر دنگ رہ گیا اور فوراً ڈاکٹر سے کہنے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب میں نے آپ کی اور ہریش کی وہ تمام باتیں سن لی تھیں جو آپ اور وہ اس امر کے متعلق کر رہے تھے کہ ہریش شادی کے ناقابل ہے اور پھر اس بات کا رد عمل یہ ہوا تھا کہ رینا سے ہریش کی شادی نہ ہو سکی تھی یہ سب کیا معاملہ تھا؟"

" ارے وہ! وہ تو راکیش بابو اب میں کیا عرض کروں؟ وہ ہم دونوں نے ہریش کے ایما پر ایک ڈرامہ کھیلا تھا۔ ہریش چاہتا تھا کہ رینا اور رودی کے لئے میدان صاف کر دے۔ اور خوب سوچ و چار کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی روز تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا جائے اور پھر تم خود ہی یہ نہ چاہو گے کہ رینا ہریش، سے شادی کرے۔ تدبیر کارگر اور چال کامیاب رہی۔ مگر ہریش اپنی شدھ بدھ کھو بیٹھا"

رودی جواب تک چپ تھا اب مزید خاموش نہ رہ سکا اور بیساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

" ہریش بابو۔ آخر تم نے مجھے مات دے ہی دی۔ تم انسان نہیں دیوتا ہو کیا تمہارے جیسا انسان کوئی اور کبھی آج تک اس دھرتی پر پیدا ہوا ہے "

راکیش بھی ہریش کی تعریف کرتا نہ تھکتا تھا۔ اور جب رینا کو یہ سب معلوم ہوا تو وہ بھی ہریش کی عظمت کی دل و جان سے قائل ہو گئی۔ ابناش۔ رودی۔ راکیش وغیرہ نے ہریش کو رینا سے شادی کرنے کے لئے ورغلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر اس عظیم شخص نے اب تا حیات شادی نہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔



پچیسواں باب

روی کی پریکٹس حد سے زیادہ چمک اٹھی تھی۔ وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ تمام خرچہ جات وضع کر کے اس کی ماہانہ آمدنی تقریباً ۱۵ ہزار روپے تھی جس میں سے ½ ۷ ہزار کا حق دار وہ امیش کو گردانتا تھا۔ اندر کے بچے اب اعلیٰ سکول میں تعلیم پا رہے تھے۔ شنکر کو مینٹل ہاسپٹل میں داخل کروا دیا گیا تھا۔ اور وہاں کے ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ برسوں کے علاج کے بعد بھی اس کی دماغی حالت میں بس تھوڑا سا ہی فرق پڑ سکتا ہے۔

ایک شب دسترخوان پر روی۔ رینا۔ امیش اور رشمی بیٹھے ڈنر تناول فرما رہے تھے اور ساتھ ساتھ گفتگو کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ روی نے رینا کو مخاطب کر کے کہا۔

"رینا۔ اب شہری زندگی سے جی کچھ اکتا سا گیا ہے۔ یہ رات دن کا بے پناہ شور وغل دماغ کو ہر وقت پریشان رکھتا ہے۔ اور ویسے

بھی ایک ڈاکٹر کی زندگی بس دوسروں کی امانت ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایک بے چارہ رات کو بھی چین کی نیند نہیں سو سکتا ‘‘

’’ بس اسی بات میں ڈاکٹری کے پیشے کی عظمت پنہاں ہے۔ ایک ڈاکٹر کی زندگی ہوتی ہی دوسروں کے لئے ہے۔ امیش بولا۔

’’ ہاں امیش یہ تو سب ٹھیک ہے مگر رینا سے پوچھ دیکھو۔ اس کو نجانے مجھ سے کتنی شکایات ہوں گی۔ بیچاری پروگرام پہ پروگرام بناتی رہتی ہے مگر میں شاید ہی کبھی اس کا ساتھ دیتا ہوں ‘‘

’’ میری تو آپ چھوڑیئے۔ میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کا مقام اور کونسا ہو سکتا ہے کہ میں ایک ایسے پتی کی پتنی ہوں جس کی شہرت محض اس شہر میں ہی نہیں بلکہ آس پاس کے کتنے ہی شہروں میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی زندگی کا مقصد محض دوسروں کی سیوا کرنا ہے۔ جو ہمیشہ بغیر کسی لوبھ اور لالچ کے دوسروں کی نشکام سیوا کرنا ہی اپنا فرض اولیں سمجھتا ہے ‘‘ رینا بولی۔

’’ بس اب بس بھی کرو رینا۔ تم مجھے ضرور مغرور بنا کر چھوڑ دگی۔ پگلی میں تو کچھ بھی نہیں کر پا رہا۔ رات دن ایسا محسوس کرتا ہوں کہ جیسے میری زندگی کے قیمتی لمحات رائیگاں اور اکارت جا رہے ہیں۔ میرے دل میں نجانے کیا کیا امنگیں ہیں؟ کیا کیا ولولے ہیں اور کیا کیا خواہشات ہیں میری دلی تمنا ہے کہ اپنی تمام زندگی دیہاتیوں کی سیوا کے لئے وقف کر دوں۔

میری کتنی زبردست خواہش ہے کہ اپنے گاؤں کے باشندگاں میں ایک نئی روح پھونک دوں اور دیہاتی زندگی ایک نئے سرے سے تنظیم و ترتیب دوں۔ میں کتنی ہی بار سوچ چکا ہوں کہ اپنے موضع میں

جاکر پریکٹس شروع کر دوں مگر مجھے یہ ہی خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں تم اس مہم میں میرا ساتھ نہ دے سکو۔ شاید تمہیں دیہاتی زندگی راس نہ آئے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو روی؟ میرے دل میں تو نجانے کتنی بار آیا کہ خود ہی تمہارے سامنے ایسی تجویز رکھوں مگر چونکہ نگیندر بھون میں ایک ناقابل فراموش حادثہ ہو چکا ہے اس لئے میں نہیں چاہتی تھی کہ وہاں جانے سے اس روح فرسا حادثے کی یاد تمہارے دل میں تازہ ہو جائے تمہیں شاید یقین نہ آئے مگر میں ہی جانتی ہوں کہ میری کتنی زبردست خواہش ہے کہ اپنے دیہاتی بھائیوں کی کچھ سیوا کر دوں۔ روی میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ گاؤں میں میں تمہارے شانہ بشانہ اور دوش بدوش کام کر دوں گی۔ تم مجھ سے ایک نرس والا سارا کام لے سکتے ہو۔"

"ہیر! ہیر۔ بھئی بھابی ملے تو ایسی ملے۔ واقعی ہماری بھابی نے تو کمال ہی کر دیا،، ششما بول اٹھی جو اب تک چپ تھی۔ اس پر سب ہی ہنس پڑے۔

اور پھر یہ چاروں سنجیدگی سے اس نئی تجویز پر غور کرنے لگے۔ ایش اور ششما بھی بضد ہو گئے کہ اس مہم میں وہ بھی روی اور رینا کے ساتھ ہی رہیں گے۔

ایش کو کچھ دن کے لئے موضع میں بھیج دیا گیا۔ اس نے اپنی نگرانی اور دیکھ ریکھ میں نگیندر بھون میں کچھ تبدیلیاں کرائیں۔ ایک بڑی وسیع اور کشادہ ڈسپنسری بنائی گئی۔ ان ڈور مریضوں کے لئے ۲۵ بیڈز (BEDS) کا علیحدہ انتظام کیا گیا۔ آپریشن روم بھی بنایا گیا

تقریباً ۲۵ ہزار روپے کی مالیت کی ادویات خریدی گئیں۔ اور پھر یہ چار دل اندر سے بچوں کو ساتھ لے کر اپنے ساز و سامان سمیت موضع میں اٹھ آئے اندر سے بچوں کو تعلیم و تربیت کے لئے پلانی بھیج دیا گیا۔

نگیندر بھون میں پھر سے بہار لوٹ آئی۔ اس کے در و دیواروں کو پھر ایک نئی زندگی بخشی گئی۔ اس کا طویلہ پھر بھینسوں گایوں اور گھوڑوں نے آباد کر دیا۔ ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی نگیندر بھون کے ایک گوشے میں لگوایا گیا اور اس میں انواع و اقسام کے پھولوں کے علاوہ۔ آم امرود، شہتوت اور جامن وغیرہ کے پیڑ لگوائے گئے۔ ایک ٹیوب ویل اس باغ کے پھلوں پھولوں اور پودوں کو سیراب کرنے کے لئے لگوایا گیا نگیندر بھون کے گیراج میں دو دو کاریں کھڑی ہونے لگیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں ردی کا نام محض اپنے موضع میں ہی نہیں بلکہ تمام ہریانہ پرانت میں مشہور ہو گیا۔ وہ ہریانہ پرانت کا سب سے ہوشیار۔ معاملہ فہم اور شریف الطبع ڈاکٹر گنا جانے لگا۔ قدرت نے اس کو ایک نہایت غضب کا دست شفا بخشا تھا۔ پیچیدہ سے پیچیدہ اور پرانے سے پرانے مرض کو وہ ایک ماہر فن کی طرح فوراً تشخیص کر لیتا تھا۔ اس کو اکثر اپنے موضع سے باہر بھی بلایا جاتا اور رفتہ رفتہ اس کی ضرورت ہریانہ کے بڑے بڑے شہروں میں بھی محسوس ہونے لگی۔ یہاں تک ہی نہیں بلکہ کئی بار تو اسے دہلی بھی بلایا جانے لگا۔

نیز اس کا اصول تھا کہ غریبوں کا علاج مفت کرے۔ غربا اور حاجتمندوں سے وہ ایک پیسہ بھی نہ لیتا۔ ان کے گھروں پر جا کر بلا فیس ہی ان کا معائنہ کرتا اور اپنی ڈسپنسری سے دوائی بھی مفت ہی تقسیم

کرتا۔ اُمرا سے ردی منہ مانگی فیس وصول کرتا اور وہ خوش ہو کر ادا کرتے۔ ان سے وہ کھلم کھلا کہتا کہ ان کی دی ہوئی رقم کا بیشتر حصہ وہ دیہات سدھار کے لئے صرف کرے گا۔ باہر جانے کی فیس اسے خرچ کے علاوہ (۵۰۰) (۵۰۰) ۱۰۰۰ / ۱۰۰۰ ایک ملتی۔

ایلش بھی ایک اعلیٰ پایہ کا ڈاکٹر بن گیا تھا اور ردی کو اس سے خاطر خواہ مدد مل رہی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شہر میں ردی کی آمدنی قدرے زیادہ تھی۔ مگر یہ عظیم شخص جس کا دل خدمت خلق کے جذبے سے معمور تھا روپے پیسے کو ہیچ سمجھتا تھا۔

موضع میں سرپنچی کا چناؤ ہونا تھا۔ کچھ معزز لوگ اکٹھے ہو کر ردی کے پاس آئے اور اس سے التجا کی کہ وہ سرپنچی کا چناؤ لڑے اس نے بہتیرا انکار کیا مگر وہ لوگ کسی بھی طرح نہ مانے۔ لوگوں نے ہر چند کوشش کی کہ ردی بلا مقابلہ کامیاب ہو جائے مگر وہ لبشمبر کو نہ منا سکے مقابلہ ہوا اور لبشمبر کو ایک کراری شکست ہوئی۔ چناؤ کے دوران لبشمبر نے کئی لوگوں کو ردی کی حمایت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ ان کو قتل تک کرنے کی دھمکی دی۔ مگر اکثریت پھر بھی ردی کے ساتھ رہی۔

ردی۔ رینا۔ ایلش اور ششما نے عہد کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے دلوں میں یہ بات جما دیں گے کہ ان کی خوش حالی۔ ترقی اور فارغ البالی کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ وہ کم سے کم اولاد پیدا کریں۔ اور ایسا کرنے کے لئے مرد اپنی نسبندی کرائیں عورتیں لوپ لگوائیں۔ نرودھ اور دیگر Contraceptives کا استعمال زیادہ سے زیادہ مقدار میں کریں۔

رینا اور رشمی موضع کی عورتوں اور لڑکیوں سے ایسے ملتیں کہ جیسے ان سے ان کی برسوں کی شناسائی ہے۔ وہ چھوٹے سے چھوٹے آدمیوں کے گھروں میں جانے میں کوئی عار یا شرم محسوس نہ کرتیں۔

اکثر موضع کی عورتوں کو اپنے گھر بھی بلا لیتیں اور ان کو یہ تبلاتیں کہ گھر گرہستی کا سکھ صرف اسی بات میں پنہاں ہے کہ ہم کم سے کم اولاد پیدا کریں۔ ایک کنبے کے لئے بس دو یا تین بچے کافی ہیں اور پھر وہ گھر سکھ کا باسا بن جائے گا۔ وہ مائیں جو اپنے بچوں کی جلد شادی کرنے کے لئے اپنے خاوندوں سے لڑ پڑتیں اب اس بات کو بخوبی سمجھنے لگ گئی تھیں کہ بچپن کی شادی کے نتائج نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔

اور مرد اور عورت دونوں ہی اپنی صحت کھو بیٹھتے ہیں۔ اور کمزور اور لاغر بچوں کی ایک فوج سی گھر میں جمع ہو جاتی ہے۔ کتنی ہی چھوٹی عمر میں ہونے والی شادیاں جن کی تاریخیں مقرر ہو چکی تھیں منسوخ کر دی گئیں۔

مگر ابھی گاؤں میں کچھ دقیانوسی قسم کی عورتیں ایسی بھی تھیں جو رینا اور رشمی کو گالیاں اور کوسنے تک دیتیں۔ ان کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ جاتیں۔ اور ان کے پروگرام کو کھلم کھلا چوپٹ کرنے کی کوشش کرتیں۔ مگر رینا اور رشمی کچھ ایسی مٹی کی بنی تھیں کہ وہ سب ہنس کر ٹال دیتیں اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتیں۔

روی اور امیش بھی اس میدان میں جو کچھ بھی ان سے بنتا تھا کر رہے تھے۔ وہ لوگوں کو نرودھ مفت تقسیم کرتے اور ان کی نسبندی مفت کرتے۔ اب انہوں نے ایک لیڈی ڈاکٹر مس تیجہ کو

کو بھی ملازم رکھ لیا تھا۔ وہ بھی خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام میں ان کی کافی معاون ثابت ہو رہی تھی۔ ہر مہینہ موضع میں ایک جلسہ منعقد کیا جاتا اور راگ و رنگ کی محفل سجائی جاتی۔ بھجنی اور سورنگی بلند کئے جاتے اور وہ لوگوں کو بھجنوں اور راگنیوں کے ذریعے تلقین کرتے کہ مناسب وقفہ پر کم سے کم بچے پیدا کرو۔

روی اور اینش تقریر کرتے اور اپنی ہر دلعزیزی کی وجہ سے لوگوں کا دل جیت لیتے اور لوگ واقعی سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ فی الواقعی ہمارے ملک کو خاندانی منصوبہ بندی کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔

موضع میں ایک مخالف گروہ کا بھی جنم ہو گیا تھا جس کا سرغنہ لشمبر کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ کئی بار جلسوں میں پتھراؤ بھی کیا گیا اور بھی کئی طرح کی رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی گئیں۔ مگر کتے بھونکتے رہے اور کارواں چلتا رہا۔

⁘............⁘............⁘

چھبیسواں باب

دو تین روز سے روی بخار کی شدت کی وجہ سے پھنک رہا تھا۔ ایش رینا اور رشمانے ہرچند چاہا تھا کہ اس کی پٹی سے لگے بیٹھے رہیں۔ مگر روی نہیں چاہتا تھا کہ ان کے پروگرام میں کوئی خلل پڑے۔ رینا اور رشما کا پروگرام تھا کہ قریب کے دو تین موضعوں میں جاکر وہاں کی عورتوں کو پریوار نیوجن کی خوبیوں اور محاسن سے روشناس کرائیں اور اسی طرح ایش نے بھی فیلڈ پروگرام بنایا تھا۔ مس تیجہ ڈسپنسری بھی اٹینڈ کر رہی تھی اور روی کی دیکھ بھال بھی کر رہی تھی۔

ایش۔ رینا اور رشما اپنا باہر کا پروگرام ختم کر کے واپس لوٹ آئے تھے۔ آج روی کا بخار کچھ کم ہو گیا تھا اور سر درد میں بھی افاقہ تھا رینا اس کا سر دبا رہی تھی اور اس کی نرم نرم انگلیوں کے لمس نے روی پر ایک غنودگی سی طاری کر دی تھی۔ اسے دو تین روز ٹھیک طرح سے سوئے

ہوئے ہو گئے تھے۔ اب نیند آہستہ آہستہ اس پر غلبہ پا رہی تھی کہ باہر کسی نے بٹن دبایا اور برقی گھنٹی کی کانوں کو چیرتی ہوئی آواز اندر کمرے میں گونج اٹھی۔ ردی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور رینا کو قدرے غصہ آیا کہ کون بدتمیز اس وقت تنگ کرنے کے لئے آپہنچا ہے۔ اس نے قدرے تلخ لہجے میں پوچھا کہ کون ہے۔ مگر ساتھ ساتھ اٹھ کر دروازہ بھی کھول دیا۔

اس نے دیکھا کہ ایک شخص جو ایک پھٹی پرانی دھوتی اور ایک قمیض جو جگہ جگہ سے مسک گیا ہے پہنے ہوئے ہے۔ اور جس کی داڑھی بڑھی ہوئی ہے اور سر کے بال تیل سے بے نیاز ہیں کچھ سہما ہوا سا دروازے پر کھڑا ہے اس کا سانس پھولا ہوا ہے اور وہ زور زور سے ہانپ رہا ہے۔ رینا نے کہا۔

"کیا بات ہے؟ تم کون ہو اور اس وقت یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

"میں ایک غریب دیہاتی ہوں بی بی جی اور آپ کے ہی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ میرے ایک بچے کو بہت ہی تیز بخار ہے۔ گاؤں کے وید جی کو بھی دکھایا تھا مگر انھوں نے صاف جواب دے دیا اور کہا کہ اس بچے کو اب اپنے ردی بابو ہی بچا سکتے ہیں۔ اس لئے میں بھاگتا ہوا ردی بابو کو لینے آیا ہوں۔"

دیہاتی ایک ہی سانس میں یہ سب کہہ گیا۔

"ان کو تو خود بخار ہے اس لئے تمہارے ساتھ چلنے سے مجبور ہیں!"

"اچھا بی بی جی کوئی بات نہیں۔ بھگوان ہمارے ردی بابو کو جلد ہی اچھا کر دیں۔ بچے کا جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا!" دیہاتی نے صاف اور شستہ لہجے میں کہا۔

اب ردی سے نہ رہا گیا۔ وہ جھٹ پٹ اپنی چارپائی سے اٹھا اور رینا

اور دیہاتی کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا۔

"بھائی کوئی بات نہیں میں ڈاکٹر ایش کو تمہارے ساتھ بھیجتا ہوں تم کوئی فکر نہ کرو۔

"نہیں بابو جی۔ بچے کی حالت بہت بگڑی ہوئی ہے۔ بخار میں اس کا تمام جسم ایک دہکتی ہوئی بھٹی کی مانند پھنک رہا ہے۔ شاید دوسرے ڈاکٹر صاحب اس کا علاج نہ کر سکیں۔ اگر آپ ہی چل سکتے تو اچھا تھا۔ مگر اب ایسی حالت میں میں آپ سے کیا کہہ سکتا ہوں۔؟"

"اچھا بھائی۔ کوئی بات نہیں۔ میں ہی چلتا ہوں۔ رینا ذرا موہن سے کہہ کر گاڑی نکلواؤ۔"

"اب بھلا ایسی حالت میں تم کیسے جاؤ گے۔ مسجد میں چراغ جلانے سے پہلے اپنے گھر میں بھی تو چراغ جلا لینا چاہئے۔" رینا اپنے جذبۂ شوہر پرستی کو چھپا نہ سکی۔

"نہیں رینا مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ اس وقت اس بے چارے کو میری اشد ضرورت ہے۔ میرا جانا نہایت ضروری ہے۔

رینا مزید کچھ نہ بول سکی۔ وہ جانتی تھی کہ اب روی کسی کے روکے نہیں رک سکتا۔

سردی اس شدت کی پڑ رہی تھی کہ دانت سے دانت بج رہے تھے۔ یہ ایک اماوس کی کالی اور اندھیری رات تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ رات کے کوئی ۱۲ بجے کا عمل ہوگا۔ ہر سو ایک ہو کا عالم تھا۔ اس خاموش فضا کو کبھی کبھار کتوں کے بھونکنے کی آواز ہی کچھ جلا بخشتی لوگ اپنے گھروں میں اپنے بستروں پر دراز خواب خرگوش کے مزے

لے رہے تھے۔

یکایک آسمان پہ بادل گھر گھر کر اُمنڈ آئے اور تھوڑی دیر میں موسلادھار بارش ہونے لگی۔ سردی کی شدت میں اور اضافہ ہو گیا۔ دیہاتی گھبرایا کہ کہیں روی اپنا جانا ملتوی نہ کر دے۔

مگر وہ عظیم شخص خدمت خلق کا جذبہ جس کی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا قدرت کی ان چابکدستیوں سے بھلا کہاں گھبرانے والا تھا۔ اس نے اپنا کوٹ پہنا۔ اور اس کے اوپر ایک اوور کوٹ۔ روی حیران تھا کہ اتنی شدت کی سردی میں بھی یہ دیہاتی بالکل بے پرواہ سا کھڑا ہے۔

رینا سے کہہ کر اس نے اپنا ایک پرانا کوٹ منگوایا اور اس دیہاتی کو پہننے کو دیا۔ دیہاتی نے پہلے تو قبول کرنے سے کر دیا مگر روی کے اصرار کے سامنے اس کا انکار زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ روی نے دیہاتی کو اپنی کار میں بٹھایا۔ اور بیگ جس میں کچھ پیٹنٹ دوائیں اور انجکشن وغیرہ تھے اس نے ساتھ رکھ لیا۔

اب کار تیز رفتاری سے دیہاتی کے گھر کی طرف رواں دواں تھی۔

دیہاتی کے گھر پہنچ کر روی نے دیکھا کہ بچہ بخار کی شدت کی وجہ سے بے ہوش پڑا ہے اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کچھ ہیجان بکنے لگتا ہے۔ اسے سرسام ہو گیا ہے۔ روی نے اس کا ٹمپریچر لیا اور یہ پڑھ کر حیران رہ گیا کہ اس بچے کو ۱۰۵ درجہ بخار ہے۔ اس نے فوراً بچے کو ایک انجکشن دیا۔ دیہاتی کو کچھ پیٹنٹ گولیاں دیں اور پینے کا مکسچر صبح ڈسپنسری سے منگوا لینا بھی بتایا۔ روی نے بچے کے والدین کو کہا کہ اگر دوائیاں اس اس کی ہدایات کے مطابق دی گئیں تو بھگوان نے چاہا تو بچہ ضرور شفا یاب

ہو جائے گا۔ ان کو فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بچے کو سردی لگنے سے بخار ہو گیا ہے۔

پھر اس کی نظر کمرے کی چھت کی طرف اٹھی۔ اس نے دیکھا کہ پانی کے قطرے بوندوں کی شکل میں ٹپ ٹپ کی آواز پیدا کرتے ہوئے نیچے گر رہے ہیں اور تمام کمرے میں پانی ہی پانی جمع ہو گیا ہے۔ اس نے دیہاتی سے پوچھا کہ اس نے چھت کی مرمت کیوں نہیں کروائی؟ اس نے جواب دیا کہ صاحب مرمت کروانا تو دور کی بات ہے۔ یہاں تو دو وقت کی روٹیوں کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔

پھر ردی نے ایک طائرانہ نظر تمام کمرے پر ڈالی۔ اس نے دیکھا کہ کمرے کے ایک طرف دو چارپائیاں تقریباً ۳ فٹ کے فاصلے سے بچھی ہوئی ہیں اور ان کے بیچ میں ایک انگیٹھی جس کو گھاس پھوس سے سلگایا گیا ہے۔ جل رہی ہے۔ ایک چارپائی پر دو بچے اور دوسری پر تین بچے آپس میں گتھے ہوئے سو رہے ہیں۔ اور اس کڑاکے کی سردی میں وہ ایک دوسرے کے جسم سے حرارت حاصل کر رہے ہیں وگرنہ ان کے اوپر کوئی کپڑا ان کا جسم ڈھانپنے کے لئے نہ ہے۔

پھر اس کی نظر ایک اور چارپائی کی طرف اٹھی۔ اس نے دیکھا کہ اس پر ایک شیر خوار بچہ لیٹا ہوا ہے اور وہ ایک بوسیدہ سی قسم کی نہایت ہی پرانی رضائی اوڑھے ہوئے ہے۔

دیہاتی نے بتایا کہ یہ رضائی اس بچے کی اور اس کی ماں کی سردی سے حفاظت کرنے کے لئے ہے۔ ایک دوسری اسی قسم کی رضائی جس میں روئی صرف برائے نام ہی تھی اس بیمار بچے پر ڈالی گئی تھی۔ اور دیہاتی بیچارے

کو آگ کے الاؤ کے سامنے اپنی چار پائی بچھا کر تمام رات کچھ سوتے ہوئے کچھ جاگتے ہوئے اور کچھ سوچ و چار کرتے ہوئے کاٹتا تھی۔ یہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر روی کا حساس دل رو اٹھا اور اس نے دیہاتی سے سوال کیا۔

"بھائی صاحب۔ تمہارا نام کیا ہے اور تم کیا کام کرتے ہو؟"

"میرا نام بالکند ہے ڈاکٹر صاحب اور میں اپنی دس بیگھے اراضی کو کاشت کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"تمہارے کل کتنے بچے ہیں؟"

"سات۔"

"کیا تم اپنے تمام بچوں کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ سردی سے بچانے کے لئے ان کو رضائی مہیا کر دو؟"

"ڈاکٹر صاحب سب کچھ آپ کے سامنے ہی ہے۔ اب میں کیا عرض کروں؟ یوں تو میں میٹرک پاس ہوں مگر لاکھ کوشش کرنے پر کبھی مجھے کوئی ملازمت نہ مل سکی۔ ہماری کل ۶۰ بیگھے اراضی تھی جو ہم بھائیوں میں بٹ کر میرے حصے میں ۱۰ بیگھے آئی ہے۔ اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اتنی سی زمین میں کیسے ۹ آدمیوں کا گزارہ ہو سکتا ہے۔ گھر میں ایک رضائی اور تھی جو دو تین روز ہوئے بالکل ہی جواب دے چکی ہے۔ آپ جو یہ پانچ بچے دو چارپائیوں پر دیکھ رہے ہیں اور یہ بیمار بچہ اس کو باری باری استعمال کرتے تھے۔ ایک رات دو بچوں کے حصے میں آئی ہے پھر دوسری رات دوسرے تین بچوں کے حصے میں۔ جن بچوں کے حصے میں رضائی نہ آتی ہے ان کو ایک دوسرے کے جسم کی حرارت اور آگ کی گرمی سے ہی گزارہ کرنا پڑتا ہے۔"

"بھائی بالمکند۔ معاف کرنا۔ کیا تم نے اتنے بچے پیدا کرنے سے پہلے یہ کبھی نہ سوچا کہ کس طرح تم ان کا گذارہ کرسکو گے؟ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم اپنے بچوں کے لئے گرمی اور سردی کے کپڑے بھی مہیا نہیں کر سکتے۔"

"کیا عرض کروں ڈاکٹر صاحب۔ اس بارے میں تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ یہ بات کبھی دماغ میں ہی نہیں آئی کہ اگر بچے کم ہوں گے تو ہم سکھ شانتی کا جیون بسر کرسکیں گے۔ بچے یونہی بس پیدا ہوتے ہی رہے۔ مگر اب میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اپنی ہی نسبندی نہیں کراؤں گا بلکہ بچوں کی پیدائش کی روک تھام کے سلسلے میں جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا کروں گا۔ آپ کے یہاں آجانے سے سب ہی گرام باسیوں میں ایک نئے جوش نے جنم لیا ہے اور موضع کے لوگوں نے عہد کر لیا ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم کم سے کم بچے پیدا کریں گے اور اس طرح جو بھیک ہم غیر ملکوں سے لے رہے ہیں وہ پھر ہمیں نہ لینا پڑے گی۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ اپنی ضروریات کے لئے ہمیں غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں۔"

"ہاں بھائی اب وقت ہے کہ ہم اس مہم کو تیز سے تیز تر کردیں اور جو کچھ ہم سے بن پڑے کریں۔" ردی بولا۔

پھر تھوڑے توقف کے بعد اس نے ساتھ کھڑے ایک دوسرے دیہاتی سے خطاب کیا اور بولا۔

"بھئی آپ کی تعریف۔"

"میرا نام نیکی رام ہے ڈاکٹر صاحب اور میں بھائی بابو (بالمکند) کا پڑوسی ہوں۔ آپ کے پتاجی اور بھائی اندر تو ہم دونوں کو اچھی طرح جانتے تھے مگر آپ چونکہ زیادہ تر شہر میں رہے اس لئے ملاقات نہ ہو سکی۔"

"تمہارے کتنے بچے ہیں؟" ردی نے اس سے بھی وہی سوال کر ڈالا۔

میرے کل آٹھ بچے ہیں، ڈاکٹر صاحب اور آپ کو سن کر شاید تعجب ہوگا کہ بھائی بابو کے ہاں تو روزانہ ہی بٹتی ہے مگر میرے ہاں روٹیاں بٹتی ہیں۔ میرے ہاں ۱۰ آدمیوں کے لئے دونوں وقت کی صرف ۳۰ روٹیاں پکتی ہیں اور ہم کو ہر روز آدھے پیٹ ہی سونا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب میری شادی صرف ۱۵ سال کی عمر میں ہی کر دی گئی تھی اور اب میں حالانکہ ۳۰ سال کا ہوں مگر آٹھ بچوں کا باپ بن گیا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب آج سے بہت پہلے ہی ہماری حکومت کو بچوں کی پیدائش کو روک تھام کے سلسلے میں قدم اٹھانا چاہئے تھا۔

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے وہ کہتے ہیں کہ دیر آید درست آید۔ اگر ہم اب بھی سنبھل جائیں تو کچھ نہیں بگڑا ہے۔ ہمارے ملک کی حالت اس ندی کی سی ہے جس میں کسی وقت بھی باڑھ آ سکتی ہے اگر وقت سے پہلے ہی ہم نے بند نہ باندھ دیئے تو سب کچھ ایک بھیانک سیلاب کی نذر ہو جائے گا۔ وقت کا اژدھا منہ پھاڑے سب کچھ نگل جانے کو تیار ہے اگر ہم نے ذرا سی بھی کوتاہی برتی اور بچے یونہی دھڑا دھڑ اور بے روک ٹوک پیدا ہوتے رہے تو پھر یہ اژدہا سب کچھ ہڑپ کر جائے گا۔" ردی نے جواب دیا۔

بالکنسا اور نیکی رام کی داستان غم سن کر ردی کا کلیجہ منہ کو آ گیا تھا۔ اس کے تمام جسم میں ایک تھرتھری سی پیدا ہو گئی تھی اور اپنے بھارت واسیوں کی اس کسمپرسی کی حالت پر اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

⁘ . . . . ⁘ . . . .

ستائیسواں باب

بشمبر ردی کے خاندان کے وجود تک کو مٹا دینا چاہتا تھا۔ ردی کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت اس کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ وہ ردی کی سکیم کو ہر قیمت پر ناکام کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ کہیں سے جاکر سادھو قسم کے لوگ گاؤں میں لے آیا۔ ان پاکھنڈی سادھوؤں کا سرغنہ سوامی برہمانند کہلاتا تھا۔ موضع سے باہر ایک چھوٹی سی سرائے تھی جس کے پاس ایک کنواں بھی تھا۔ کنوئیں پر رسی ڈول ہر وقت پڑا رہتا تھا۔ راہ چلتے مسافر اس سرائے میں تھوڑی دیر کے لئے آرام کر لیا کرتے تھے۔ بشمبر نے ان سادھوؤں کو اسی سرائے میں ٹھہرایا اور گاؤں میں مشہور کر دیا کہ سوامی برہمانند بہت ہی پہنچے ہوئے سنت ہیں۔ پیچیدہ سے پیچیدہ امراض کو راکھ کی چٹکی سے ٹھیک کر دیتے ہیں اور جن عورتوں کو بچے پیدا نہیں ہوتے ان کے لئے تعویذ بناتے ہیں۔ گاؤں کی بھولی بھالی عورتیں جوق در جوق ان پاکھنڈی سادھوؤں کے ڈیرے

پڑ جانے لگیں اور چڑھاوا چڑھانے لگیں۔ مرد بھی کافی تعداد میں ان کے درشن کرنے کے لئے جاتے۔ سوامی برہمانند موضع والوں کو تلقین کرتے " اگر وہ بچوں کی پیدائش کو غیر فطری طریقے سے روکیں گے تو بھگوان ان کو کبھی معاف نہ کریں گے بچوں کی پیدائش بھگوان کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے۔ کسی کو بچوں کی دولت سے مالا مال کر دے اور کوئی بیچارہ صرف ایک بچے کے لئے عمر بھر ترستا رہے۔ ہاتھ کی ریکھاؤں میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ کس مرد یا عورت کو کتنے بچے پیدا ہوں گے۔ اسلئے ہمیں قدرت کے کاموں میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ اور پاپ کا بھاگی نہیں بننا چاہیئے۔ نجانے یہ سرپھرے کہاں سے آ گئے ہیں جو گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتے ہیں کہ پریوار نیوجن سکیم کو اپناؤ۔ یہ لوگ ہندو جاتی کو ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ نس بندی سے مرد عورت کے قابل نہیں رہ جاتے اور عورتیں بیچاری وصل کے لطف سے محروم رہ جاتی ہیں۔ لوپ لگوانے سے کئی طرح کے زخم ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ سکیم یونہی چلتی رہی تو ہمارے یہ لہلہاتے ہوئے کھیت کچھ عرصے بعد سونے نظر آئیں گے۔ ہماری فوج کے لئے آدمی ملنے مشکل ہو جائیں گے۔ خاندان کے خاندان ختم ہو جائیں گے اور ان کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔ رازق سب کا پیٹ پالتا ہے۔ قدرت کا اصول ہے کہ ایک خاص تعداد میں لڑکے اور لڑکی جنم لیں تاکہ یہ دنیا یونہی چلتی رہے "

موضع میں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی۔ روی اور امیش نے لوگوں کے گھروں میں جا جا کر چیچک کے ٹیکے لگانے شروع کر دیئے۔ سمجھدار لوگ خود اپنے بچوں کو نگینہ ریجون لے جاتے اور چیچک کے ٹیکے لگوا لیتے۔ سادھوؤں نے عورتوں کو ورغلانا شروع کر دیا اور کہا کہ چیچک کے ٹیکے لگوانے سے ایشور ناراض ہوتا ہے۔ اس کا علاج صرف یہی ہے کہ ماتا دیوی کی پوجا کی

جائے ۔ رودی اس بات کے خلاف ہرگز نہ تھا کہ قدیم زمانے سے جو روایات چلی آرہی ہیں اور جن پر عورتوں کا اعتقاد ہے ان کو وہ مانیں، مگر ساتھ ساتھ وہ لوگوں کو تلقین بھی کرتا تھا کہ چیچک کے ٹیکے لگوانے بھی نہایت ضروری ہیں۔ مگر بیشتر دیہاتی عورتیں اس بات کے سخت خلاف تھیں کہ وہ اپنے بچوں کو چیچک کے ٹیکے لگوائیں ۔ ان کو سادھوؤں کی بات زیادہ وزن دار اور معقول معلوم ہوتی تھی ۔ اب گاؤں کے کچھ لوگ واقعی ان سادھوؤں کے ساتھ ہو گئے تھے وہ رودی کی کھلم کھلا مذمت کرنے لگے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سادھوؤں کے موضع میں آ جانے سے رودی کے پروگرام میں کافی رکاوٹ پیدا ہوئی ۔

دو چار ایسے بچوں کو جن کو رودی اور امیش نے دیگر بچوں کے ساتھ ٹیکے لگائے تھے چیچک نکل آئی اور اس کے برعکس کچھ ایسے بچے جن کی ماتاؤں نے سادھوؤں کے کہنے آکر آکر انجکشن نہ لگوائے تھے محفوظ رہے ۔

سادھوؤں نے اس بات کو خوب اچھالا اور گاؤں کی بھولی بھالی عورتیں اس بات کی قائل ہو گئیں کہ یہ سادھو واقعی پہنچے ہوئے مہاتما ہیں۔ ان کی دھاک گاؤں کی کافی عورتوں کے دلوں میں بیٹھ گئی ۔ اور وہ رینا ششما ۔ رودی اور امیش کو اپنا دشمن گردانے لگے ۔

ایک روز گاؤں کے کچھ لوگ سادھوؤں کے پاس اس غرض سے پہنچے کہ ان کو گاؤں میں ایک جلسہ منعقد کرنے کے لئے درخواست کریں ۔ سوامی برہمانند اس وقت وہاں موجود نہ تھے ۔ ان لوگوں کو بتلایا گیا کہ وہ اس وقت پوجا پاٹھ کر رہے ہیں ۔ وہ لوگ لوٹ جانے کو ہی تھے کہ موضع کا ایک شخص جس کا نام بکرم سنگھ تھا موقع پر آیا ۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں اپنے ساتھیوں کو بتلایا کہ وہ پیشاب کرنے کے لئے ڈبرے کے پچھلی طرف

گیا تھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سوامی برہمانند ہرجن کی بیوی کے ساتھ برہنہ حالت میں لیٹے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر ان لوگوں کا خون کھول گیا اور وہ جھٹ پٹ بکرم سنگھ کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچے۔ کچھ شور سن کر سوامی جی نے اپنے کپڑے درست کرنے شروع کر دیئے اور وہ عورت بھی جلدی جلدی اپنے آپ کو سنبھالنے لگی۔ مگر گاؤں والے سادھو جی مہاراج پر پل پڑے اور اس کی وہ درگت کی کہ اس کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ مار مار کر اس کو ادھ موا کر دیا۔ پھر اس کے ساتھی سادھوؤں کی بھی خوب جی بھر کر مرمت کی۔ ان پانچوں کی مشکیں باندھ دی گئیں اور رات بھر ان کو گاؤں کی چوپال میں قید رکھا گیا۔ ان پاکھنڈی سادھوؤں نے گاؤں والوں کے سامنے اقبال کر لیا کہ ان کو گاؤں میں آکر ڈاکٹر ردی کی سکیم فیل کرنے کی عوض میں ۵۰۰ ۵۰۰ روپیہ فی کس دیا گیا تھا۔ صبح ہوتے ہوتے یہ خبر سارے گاؤں میں آگ کی طرح پھیل گئی اور گاؤں والوں نے فیصلہ کیا کہ ہر کوئی آتا جاتا ان پاکھنڈی سادھوؤں کو دو دو جوتے خوب زور دار لگائے۔ یہ ایک قابل دید منظر تھا۔ سادھوؤں کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ پھوٹ کر نیچے گر رہا تھا ان کی نظریں زمین میں دھنسی ہوئی تھیں اور ایک لمحے کے لئے بھی اوپر نہ اٹھتی تھیں اور پھر ان کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا تاکہ کیفر کردار کو پہنچ سکیں۔

اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے بشمبر نے ایک اور رذیل حرکت کی۔ کچھ دنوں سے ردی اور امیش نے معمول بنا لیا تھا کہ صبح کے وقت گاؤں کے پاس بہتی ہوئی ندی پر سیر کے لئے جاتے۔ ایک روز حسب معمول وہ ندی کی طرف جا رہے تھے کہ پیچھے سے دو تین آدمیوں نے لاٹھیوں سے ردی پر حملہ کر دیا۔ امیش نے پھرتی سے ایک حملہ آور کی لاٹھی اس سے چھین لی۔ اور دو چار بھرپور وار ان پر کئے مگر دیکھتے ہی

دیکھتے حملہ آوروں کی تعداد آٹھ ہوگئی اور انھوں نے ردی اور رامیش کو مار مار کر ادھ مُوا کر دیا۔ وہ دونوں بے ہوش ہوگئے اور گرم گرم اور تازہ خون چاروں طرف پھیل گیا۔ حملہ آور ان کو مردہ سمجھ کر وہاں سے نو دو گیارہ ہوگئے کچھ گاؤں والے جو اپنے کھیتوں کو جا رہے تھے جائے واردات پر پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے سر کی پگڑی پھاڑ کر ردی اور رامیش کے زخموں پر خون روکنے کے لئے کس کر پٹیاں باندھ دیں۔ ردی کے ڈرائیور موہن کو ایک آدمی بھیج کر فوراً بلا لیا گیا۔ اور ان دونوں کو فوراً نزدیک کے میڈیکل کالج میں پہنچا دیا گیا۔

دونوں کے جسم پر شدید ضربات آئی تھیں اور دونوں کے متعلق یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ وہ خطرے سے باہر نہیں ہیں مگر قابل ڈاکٹروں کی صدق دلانہ اور پیہم کوششوں نے دونوں کو ہی کچھ عرصے بعد بالکل ٹھیک اور تندرست کر دیا۔ کسی نے سچ کہا ہے جس کو سائیں راکھے اس کو کون چاکھے ۔ مارنے والے سے بچانے والا طاقتور ہوتا ہے۔

شفایابی پر لوگوں نے تمام موضع کی طرف سے ایک عظیم الشان دعوت کا انتظام کیا اور ردی اور رامیش کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ اس کا ... پھولوں سے ڈھک گیا اور وہ پھول ہی پھول نظر آنے لگے۔

:·.........·:·.........·:

اٹھائیسواں باب

آج دلہنڈی کا تہوار تھا۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے سبھی ایک دوسرے پر رنگ اچھال رہے تھے۔ چاروں طرف رنگ گھولی ہوئی بالٹیاں اور رنگ بھری پچکاریاں ہی نظر آ رہی تھیں۔ ہرا۔ لال۔ پیلا اور گلابی گلال بھی کثرت سے استعمال ہو رہا تھا لوگ ایک دوسرے کے گالوں پر گلال رگڑتے اور پھر یک لخت بغلگیر ہو جاتے آج کوئی چھوٹا تھا نہ کوئی بڑا۔ نہ کوئی امیر تھا نہ کوئی غریب نہ کوئی شاہ تھا نہ کوئی گدا، اور نہ کوئی اعلیٰ تھا اور نہ ادنیٰ رنگوں کے اس تہوار نے سب امتیازات مٹا دیئے تھے اور ہر کوئی آزادانہ ایک دوسرے کو رنگ کے پانی سے نہلا رہا تھا۔ لوگ روی اور اینٹی کو بھی نگینہ بھون سے باہر کھینچ لائے تھے اور اب وہ موضع والوں کے ساتھ بڑے جوش و خروش سے ہولی کھیل رہے تھے رینا اور نشا بھی گاؤں کی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ مل کر یہ تہوار منا رہی تھیں۔ ہر طرف خوشی ہی خوشی۔ ہنسی ہی ہنسی اور قہقہے ہی قہقہے تھے۔ آخر بارہ بجے دوپہر تک رنگوں کا یہ کھیل چلتا رہا اور پھر نہا دھو کر لوگوں نے اپنے اُجلے کپڑے زیب تن کر لئے۔

اب کشتیوں کا دنگل شروع ہونے والا تھا۔ آس پاس کے دیہاتوں سے بھی پہلوان بلائے گئے تھے۔ موضع کے باہر کھلے میدان میں ایک اکھاڑہ تیار کیا گیا تھا اور لوگوں کے بیٹھنے کے لئے شامیانے تانے گئے تھے۔ پہلوان بھرت سنگھ موضع میں ایک باقاعدہ اکھاڑہ چلاتا تھا اور اس کے اکھاڑے کے تقریباً ۱۰۰ پہلوان ممبر تھے۔ گاؤں والوں کو اس اکھاڑے میں باقاعدہ داؤ پیچ سکھائے جاتے تھے۔ کثرت اور کشتی کا شوق گاؤں والوں میں روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ روی بھی اس اکھاڑے کی کافی مالی امداد کرتا تھا اور یہ روی ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کہ یہ اکھاڑہ ہر دلعزیز بن گیا تھا۔ ۱۶ سال سے ۳۰ سال کی عمر کے نوجوان اس اکھاڑے کے ممبر تھے اور ہر ممبر کو یہ عہد کرنا پڑتا تھا کہ وہ ۲۰ سال کی عمر سے پہلے شادی نہ کرے گا۔ اور ایسا عہد کرنے سے جہاں گاؤں والوں کی صحت اور تندرستی قائم رہتی تھی وہاں وہ بچپن میں شادی کرنے سے بھی ممنوع و باز رہتے تھے۔

بڑے معرکہ کی کشتیاں لڑیں گئیں۔ کچھ داؤ پیچ تو واقعی دیکھتے ہی بنتے تھے۔ موضع کی طرف سے جیتنے والے پہلوانوں کو ایک ایک کلو دیسی گھی اور ہارنے والوں کو ½، ½ کلو دیسی گھی تقسیم کیا گیا۔ انعام دینے اور حوصلہ بڑھانے کا یہ ایک نیا طریقہ تھا اور اسے سبھی نے پسند کیا۔

شام کو موضع کے معززین چوپال میں بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ روی اور ابنیش بھی موجود تھے۔ ساتھ ساتھ بحث مباحثہ بھی جاری تھا۔ روی نے ان لوگوں کو تبلایا کہ ان کے موضع میں امسال بچوں کی پیدائش سابقہ سال کے مقابلے میں گھٹ کر نصف رہ گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موضع میں اب لوگوں کو یقین ہو چلا ہے کہ فیملی پلاننگ ان کو زندہ رہنے کے لئے اپنانی ہی

پڑھے گی۔

"رد ی بیٹا۔ مجھ سے کچھ بغیر رہا نہیں جاتا۔ کیا اس طرح ہمارے موضع کی آبادی گھٹ گھٹ کر اس کو بالکل ہی نیست و نابود نہ کر دے گی" بوڑھا راج سنگھ بول اٹھا۔

"نہیں چاچا۔ ایسا نہیں ہے۔ یہی تو ہماری بھول ہے۔ اگر ہم نے بچے ٹھیک وقت پر صرف دو یا تین پیدا نہ کئے تو ہم ضرور مٹ جائیں گے۔ اب دیکھو نا۔ ہمارے موضع کی کل اراضی تمام گاؤں کا پیٹ پالنے کے لئے ناکافی ہے۔ اگر ہمارے موضع کی آبادی نصف ہوتی تو پھر اس کی فارغ البالی اور خوشحالی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ کتنے ہی نئے سکولز، کالجز، مکانات، کار خانہ جات، اور ہاسپٹلز کھل گئے ہیں مگر استعمال کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اب معلوم ہوتا ہے جیسے کچھ بھی نہیں ہوا۔ سکولوں اور کالجوں میں دو دو تین تین سفٹوں میں کلاسیں لگتی ہیں اور بچوں کے بیٹھنے پانی پینے اور پیشاب کرنے وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام شاید ہی کسی درسگاہ میں آپ کو ملے۔ کیا آپ نہیں مانیں گے کہ ایک ٹیچر حد سے حد ۳۵، ۴۰ طلبا کو ٹھیک طور سے پڑھا سکتا ہے۔ مگر اب ایک ٹیچر کو ۱۰۰، ۱۲۵ تک سٹوڈنس کو پڑھانا پڑتا ہے۔ مکمل کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے تمام نظم و نسق درہم برہم ہو گیا ہے اور ہر جگہ طلبا میں ایک انتشار نے جنم لے لیا ہے۔ طلبا اپنی تعلیم کی طرف مطلقاً توجہ نہیں دے رہے اور ہلڑ بازی اور تشدد ان کی فطرت کا خاصہ بن گیا ہے ہمارے بچے ملک اور قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں اور آگے چل کر ان کو ہی ملک کی باگ ڈور کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج کل کے بچے کس قدر بے راہ رو ہو گئے ہیں۔ چھوٹی سی عمر میں ہی شراب پینے لگ جاتے ہیں۔ جُوا کھیلتے ہیں۔ غنڈہ گردی کرتے ہیں اور فحش گالیاں بکنے میں ایک دوسرے سے

سبقت لیجانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ماں باپ اپنے بچوں کو قطعاً کنٹرول نہیں کر پاتے اس کا سبب محض یہ ہے کہ ہر گھر میں بچوں کی تعداد کافی سے زیادہ ہوتی ہے اور ماں باپ کے لئے یہ امر نا ممکن ہو جاتا ہے کہ ہر بچے کی تعلیم و تربیت کی طرف مکمل توجہ دے سکیں ،، ردی شاید کچھ اور بھی کہتا مگر چندگی رام بیچ میں بول پڑا ۔

" بھائی صاحب اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور سکھ اور چین کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ٹھیک وقت پر کم سے کم بچے پیدا کرنے ہی پڑیں گے ۔ مگر آپ مجھ کو ہی دیکھیں ۔ میری بیوی نے یکے بعد دیگرے ۵ لڑکیوں کو جنم دیا اور ہم دونوں کے دلوں میں ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ ایک لڑکا ضرور پیدا ہو جس کی بدولت ہمارا خاندان چلتا رہے اور جو شرادھ وغیرہ کر کے باپوں کے بندھن سے نجات دلا سکے اور پھر بھگوان نے ہماری سن لی اور چھٹا بچہ لڑکا پیدا ہوا ۔ اسی طرح گردھاری کے ہاں چار لڑکے پیدا ہوئے اور وہ بیچارہ ایک لڑکی کے لئے ترستا رہا ۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ بھئی کنہیا دان کرنے کے لئے ایک لڑکی تو ضرور ہونی چاہیئے ۔ اور پھر اس کے ہاں پانچواں بچہ لڑکی ہی پیدا ہوئی اور پھر کسی کے ہاں اگر صرف دو یا تین بچے ہوں اور خدانخواستہ ان کو کچھ ہو جائے اور مرد نے اپنی نس بندی کروا لی ہو تو وہ بے چارہ تو بالکل ہی کام سے گیا ۔ اس کے علاوہ بھائی صاحب اگر بچے زیادہ تو ان میں سے کوئی نہ کوئی تو بڑھاپے کا سہارا بن ہی جائے گا ،،

" بھائی چندگی رام ۔ ان سب باتوں کا علاج ہمارے پاس ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم سوائے بچے پیدا کرنے کے اور کوئی علاج ڈھونڈنا ہی نہیں چاہتے ۔ تمہاری اور بھائی گردھاری کی عمر تقریباً ایک جیسی ہی ہوگی ۔ ردی بولا ۔

" ہاں بزرگ بتلاتے ہیں کہ گرد ھاری مجھ سے پانچ چھ روز بڑا ہے۔ ہماری شادی بھی ایک ہی سال ہوئی اور پہلا بچہ بھی تقریباً ایک ایک سال بعد پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ ہم نے مڈل بھی ساتھ ساتھ پاس کیا تھا" چندگی رام نے جواب دیا۔

" تو بھائی تم ایک لڑکا گردھاری لال سے لے لیتے اور وہ ایک لڑکی تم سے لے لیتا تو نہ تم کو اتنے بچے پیدا کرنے پڑتے اور نہ اس کو۔ ہمارے ملک میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں گود لے لیا جائے۔ ایسا کرنے سے آپس میں پیار محبت بھی بڑھے گا اور بچوں کی پیدائش کے سلسلے میں روک تھام بھی ہوگی"

" مگر کیا آپ نہیں مانیں گے کہ اپنے خون اور غیر کے خون میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جب اپنے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں باپ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا ہے۔ بھائی صاحب اپنے خود کے بچے اور گود لیے ہوئے بچے میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا کہ کسی کی قدرتی اور اصلی ٹانگ اور لکڑی کی مصنوعی ٹانگ میں۔ قدرتی ٹانگ سے انسان جس طرح اور جب چاہے تیز چل سکتا ہے دوڑ بھاگ سکتا ہے مگر مصنوعی ٹانگ والے انسان کو ہر دم یہ احساس ستاتا رہتا ہے کہ اس کی ٹانگ اصلی نہ ہے اور اسے چلنے پھرنے میں ڈاکٹروں کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اپنے بچے اور گود لیے ہوئے بچے میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا کہ قدرتی اور مصنوعی دانتوں میں یا قدرتی یا مصنوعی بازوؤں میں۔ گود لیے ہوئے بچے کو کبھی بھی اپنے گود لینے والے ماں باپ سے وہ محبت نہیں ہو سکتی جو خود اپنے بچے کو ہوتی ہے۔ کتنی بار سننے میں آیا ہے کہ متبنّہ بچے جائداد کے لالچ میں اپنے گود لینے والے ماں باپ کو قتل کر ڈالتے ہیں" ہری سنگھ بھی بولے بغیر نہ رہ سکا۔

" ارے بھائی! یہ تو ماں باپ پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ گود لئے بچے کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔ اگر ایسے بچے کی تعلیم و تربیت ٹھیک ڈھنگ سے کی گئی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کو بھول کر گود لینے والے ماں باپ کو اپنا تصور نہ کرے محبت محبت سے پیدا ہوتی ہے اور جب تک جائداد کے لالچ میں قتل کر دینے کا تعلق ہے تو میں اس سلسلے میں گود لئے بچے اور جنم دیئے بچے میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا اگر تعلیم و تربیت ٹھیک ڈھنگ سے نہ کی جائے تو پھر ہو سکتا ہے کہ اپنا خود کا بچہ بھی جائداد کے لالچ میں اپنے ماں باپ کو قتل کر دے۔ ایسی خبریں بھی رات دن اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میں نے اپنے موضع میں ۵۰ ایسے آدمیوں کو ڈھونڈ لیا ہے جو لڑکے اور لڑکیاں گود لینے اور دینے کو تیار ہیں۔ اور اس کے بعد وہ تہیہ کریں گے کہ وہ اور کوئی بچہ پیدا نہیں کریں گے۔

" بھائی صاحب۔ آپ بالکل بجا فرماتے ہیں۔ یہ واقعی ہماری بھول تھی۔ اگر میں گردھاری کو ایک لڑکی اور وہ مجھے ایک لڑکا گود دے دیتا تو پھر ہمیں خواہ مخواہ اتنے بچوں کو پیدا نہ کرنا پڑتا،" چندگی رام نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

" اور پھر سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ گاؤں میں اس بات کی تحریک خوب زوروں سے چلائی جائے کہ زیادہ سے زیادہ بچے گود لئے جائیں۔ دوسری بات جس بات پر زور دیا گیا وہ بچپن کی شادی کی روک تھام تھی۔

اگلے روز ردی نے موضع میں ایک عظیم الشان جلسے کا انتظام کیا۔ گاؤں کے تقریباً ۹۰ فیصدی باشندگان نے شمولیت کی۔ ایک مشہور سورنگی کو بھی معقول اجرت دے کر بلا لیا گیا تھا۔ سورنگ پارٹی نے اپنی دیہاتی راگنیوں سے لوگوں کو مست کر دیا اور ایک چھوٹی سی کہانی ڈرامے کی صورت میں پیش کر کے لوگوں پر واضح کیا کہ کس طرح ایک بڑا پریوار ہونے کی وجہ سے ایک خاندان کی تباہی ہوئی۔ اس خاندان کی دد

لڑکیاں جن کی شادی خاطر خواہ جہیز نہ دینے کی وجہ سے نہ ہو سکی تھیں۔ غنڈوں کیساتھ
بھاگ گئیں اور ان کے ماں باپ کو اپنی عزت اور آبرو کے صدقے خودکشی کر لینا پڑی۔

سوانگ نے جو سنجیدگی لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی تھی وہ چند پھڑکتے ہوئے
گیتوں نے دور کر دی۔ اور پھر موضع کے ۵۰ بچوں کو جن میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی
اور جن کو ایک ہی قسم کے بھڑکیلے رنگیلے با با سوٹس پہنائے گئے تھے۔ بیچ میدان میں لایا گیا
باجے والوں نے اپنی مدھر دھن چھیڑ دی اور ڈھولکیوں کے ہاتھ ڈھول پیٹ پیٹ کر
دُکھنے لگے۔ وہ مشہور فوٹوگرافر جن کو شہر سے خاص طور سے بلایا گیا تھا اپنے کیمرے
سیٹ کر کے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں ہنسی اور خوشی کے فوارے
پھوٹ رہے تھے۔ پھر ان ۵۰ بچوں کو یکے بعد دیگرے ضرورتمند لوگوں کو گود دیا گیا۔
ردی نے فہرست پہلے سے ہی تیار کی ہوئی تھی۔ ضرورتمندگان کے ناموں کے سامنے ان بچوں
کے نام بھی لکھ لئے تھے جو وہ گود لینے پر رضامند ہو گئے تھے۔ اور جن کے والدین نے
گود دینا منظور کر لیا تھا۔ گود دینے والا باپ اپنے بچے کو گود لینے والے کی گود میں
بٹھا دیتا اور گود لینے والا بچے کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھ دیتا اور اعلان کر دیتا
کہ اس وقت سے وہ بچہ اس کا ہے۔ گود دینے والا اور گود لینے والا آپس میں بغلگیر ہو
جاتے۔ ہر بچے کی گود کے جدا جدا فوٹو لئے گئے۔ پھر لوگوں میں شکر تقسیم کی گئی اور یہ جلسہ برخاست
کر دیا گیا۔

اگلے روز ملک کے بڑے بڑے اخباروں میں یہ خبر نمایاں طور پر چھپی اور ردی کے اقدام
کو کافی سراہا گیا۔ یہ خاص طور سے تحریر کیا گیا کہ اگر بھارت ورش کے ہر گاؤں میں لوگ اسطرح
دلچسپی سے کام کرنے لگیں تو خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم ایک بڑی حد تک کامیاب ہو سکتی ہے۔
موضع میں گورنمنٹ فیملی پلاننگ سینٹر بھی کھلا ہوا تھا۔ ردی، ایش اور گورنمنٹ ڈاکٹر
کی مشترکہ کوششوں نے موضع کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔"

انتیسواں باب

اب ردی کے کارنامے حکومت سے بھی چھپے نہ رہ سکے تھے۔
فیملی پلاننگ منسٹر صاحب بذات خود موضع میں تشریف لائے اور تمام گاؤں والوں کے سامنے ردی کی پیٹھ ٹھونکی اور اس سے بغل گیر ہو گئے۔
انھوں نے ایک مختصر سی تقریر کے دوران ارشاد فرمایا کہ ہمارے ملک کو ردی جیسے ہی ڈاکٹروں کی ضرورت ہے۔ آپ کا موضع اس پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔
ردی ایک ایسا درخشندہ ستارہ ہے جس کی چمک دمک ہمیشہ اس موضع کو ہی نہیں بلکہ تمام ملک کو جگمگاتی رہے گی۔ انھوں نے گاؤں والوں کو بتلایا کہ حکومت نے ڈاکٹر ردیندر موہن کا نام پدما دبھوسن کے پرسکار

کے لئے قبول کر لیا ہے اور آئندہ رڈی پبلک ڈے (گن تنتر دوش) کے موقعے پر راشٹر پتی خود اپنے ہاتھ سے رڈی کو یہ پدوی عطا فرمائیں گے۔

اور اسی طرح ایش، رینا اور شنشا کو پدم شری کا اعزاز دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اپنے پرانت کی حکومت کی طرف سے بھی ان لوگوں کو کافی انعامات ملے۔

رڈی نے مندرجہ ذیل تجاویز فیملی پلاننگ کی سکیم کو فروغ دینے کے لئے منسٹر صاحب کو پیش کیں۔

۱۔ شاردا ایکٹ میں ترمیم کی جائے اور اس کو سختی سے نافذ کیا جائے۔ کہ بوقت شادی لڑکی کی عمر کم سے کم ۲۲ سال اور لڑکے کی عمر کم از کم ۲۹ سال مقرر کی جائے۔ اور اس قانون کو توڑنے والوں کے لئے کم از کم تین سال قید بامشقت اور ۵۰۰۰ روپیہ جرمانہ کی سزا مقرر کی جائے۔ جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مجرم ایک سال مزید قید بھگتے۔ لڑکے اور لڑکی کے ماں باپ اور خود لڑکا اور لڑکی بھی مجرم گردانے جائیں۔

محض اتنا ہی نہیں بلکہ کم عمر کی شادیوں کو غیر قانونی قرار دیا جائے ایسی شادیوں میں حصہ لینے والوں کو ملک۔ قوم اور سماج کا بدترین دشمن تصور کیا جائے اور ایسی شادی کی مخبری کرنے والوں کے لئے انعام مقرر کئے جائیں۔

آج کل یہ عام دیکھنے میں آتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی عمروں والے لڑکے عروسی کپڑوں میں ملبوس عام سڑکوں پر گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں

مگر کوئی ان کو یا ان کے والدین کو مجرم نہیں گردانتا۔

۲۔ یہ قانون بنایا جائے کہ ۴۰ سال کی عمر سے بڑا کوئی مرد اور ۳۵ سال کی عمر سے بڑی کوئی عورت شادی نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں قانون شکنی کرنے والوں کے لئے بھی مناسب سزا مقرر کی جائے۔

۳۔ حکومت بڑے بڑے شہروں میں گود آشرم کھولے۔ ان کو اگر مناسب خیال کیا جائے تو گود بینکوں کا نام دیا جائے۔ ان کا انتظام کرنے کے لئے خوش خلق۔ نیک اطوار ایماندار اور ہوشیار ملازمین رکھے۔ ملک کے ہر باشندے کو اجازت ہوے کہ وہ اپنے جتنے بھی بچے چاہے گود بینک کے حوالے کر دے یتیم دلیسر بچے بھی گود بینک میں بھرتی کئے جائیں۔ گود بینکس ہر بچے سے متعلق مکمل تفصیلات اپنے رجسٹروں میں رکھیں۔

مثلاً بچے کے باپ کا نام۔ پیشہ۔ قوم۔ اور سکونت وغیرہ کے متعلق اطلاع مہیا کریں۔

نیز گود بینک ان لوگوں کو بچے گود دیوے جو ان کو گود لینا چاہیں۔ جو شخص جس بچے کو بھی چاہے پسند کر کے گود لے لے۔ گود لینے والے کی حیثیت کے مطابق اس سے گود بینک کے لئے چندہ بھی وصول کیا جائے۔ وصول شدہ چندہ اور حکومت کی مدد گود بینکس کو چلائے۔ ان بنکوں میں بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا صحیح و مناسب انتظام ہو۔

ہمارے بھارت واسی دن بدن روشن دماغ اور اعلیٰ ظرف

ہوتے جا رہے ہیں۔ رفتہ رفتہ دیکھنے میں آئے گا کہ ایک سکھ ایک عیسائی بچے کو۔ ایک عیسائی ایک ہندو بچے کو۔ ایک ہندو ایک مسلمان بچے کو اور ایک مسلمان ایک سکھ بچے کو گود دے رہا ہے۔ گجراتی ایک مدراسی بچے کو۔ پنجابی ایک مہاراشٹری بچے کو اور بنگالی ایک آسامی بچے کو گود دینا باعث فخر سمجھیں گے اور اس طرح یہ گود بینکس کچھ عرصے میں قومی اتحاد کا ایک نادر نمونہ پیش کریں گے۔

اور لوگوں کو حسب منشا بچے گود مل جانے پر وہ اپنے بچے پیدا کرنے کی بابت سوچیں گے بھی نہیں۔ اب صرف ایک لڑکا یا ایک لڑکی پیدا ہونے کی خواہش میں نجانے کتنے زن چا ہے
بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔

۴۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ہماری بیشتر آبادی دیہاتوں میں بستی ہے۔ لہذا خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم دیہاتوں میں زور سے چلائی جائے۔

ہمارے دیہاتوں میں باقاعدہ طور پر کھیل کود پریوگتا کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ ہر گاؤں میں حکومت کی طرف سے کھیل کود پریوگتا کا انتظام کیا جائے۔ کشتیوں کے لئے اکھاڑے بنائے جائیں۔ فٹ بال والی بال۔ ہاکی۔ کرکٹ، کبڈی وغیرہ کھیلوں کو ہر گاؤں میں ہر دلعزیز بنایا جائے۔

نیز حکومت ہر گاؤں میں کچھ لوگ اس قسم کے بھیجے جو ان کھیلوں کو وہاں جاری کریں۔ حکومت ان لوگوں کو معقول تنخواہیں بھی دے
ان کھیلوں کا دیہات میں باقاعدہ آغاز ہونے پر نوجوان دیہاتی

خود بخود ان میں دلچسپی لینے لگیں گے۔ اسی طرح گاؤں گاؤں میں ہیڈ (Pundit) پنڈت بھیجے جائیں جو رات کے وقت رامائن مہابھارت وغیرہ کی کتھائیں کریں۔ رام لیلا اور راس لیلا وغیرہ وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں۔

علاوہ ازیں حکومت ایسے شہرت یافتہ ایکٹرز اور ایکٹرسوں کو ملازم رکھے جن کی فلمی دنیا میں اب مانگ کم ہوگئی ہے۔ یہ لوگ دیہاتوں اور شہروں میں ڈرامے وغیرہ سٹیج کرکے لوگوں کو فیملی پلاننگ کی اہمیت سمجھائیں۔ یہ بات چنداں واضح کرنے کی ضرورت نہیں کہ فلمی دنیا کے ایکٹروں اور ایکٹرسوں کو دیکھنے اور سننے کے لئے بھاری تعداد میں لوگ خود بخود اکٹھے ہو جایا کریں گے ان کو سننے سے اور کھیل کود میں حصہ لینے سے لوگوں کی نفسیاتی اور جنسی خواہشات بہت حد تک کم ہو جائیں گی اور بچے قدرتی طور سے کم پیدا ہوں گے۔

۵۔ حکومت ملک کے اُدبا اور شعرا کو نوازے۔ اچھے ناول افسانے اور نظمیں جو فیملی پلاننگ کے متعلق ہوں اپنے طور سے چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرے۔

ناول۔ افسانے اور نظمیں وغیرہ ہر زبان میں چھپوائے جائیں اور غریب لوگوں کو مفت تقسیم کئے جائیں۔ امیروں سے مناسب اجرت وصول کیا جائے۔ فیملی پلاننگ کے متعلق اچھے ناولوں کی مدد سے حکومت یا تو خود فلمیں تیار کرے یا پروڈیوسرز کو فائنانس کرکے اس قسم کی فلمیں بنوائے۔

۶۔ ہر کالج میں داخلے کی شرط یہ بھی ہو کہ طلبا تحریری حلف اٹھائیں کہ وہ کسی بھی حالت میں دو یا تین بچے سے زیادہ پیدا نہ کریں گے۔ شادی شدہ لڑکے یا لڑکی کو کسی بھی کالج میں کسی بھی کلاس میں داخلہ نہ دیا جائے۔ اسی طرح سپیریر پبلک سروسز میں ان لوگوں کو ترجیح دی جائے جن کے صرف دو یا تین بچے ہوں۔ ایسے لوگوں کو خاص قسم کی مراعات حاصل ہوں۔

۷۔ سکولوں اور کالجوں میں فیملی پلاننگ کورس رائج کیا جائے اور اس موضوع کے اچھے اچھے ناولوں کو فیملی پلاننگ کورس کا حصہ بنایا جائے۔
نیز سکولوں اور کالجوں میں فصیح اور بلیغ مقرّران کو وقتاً فوقتاً فیملی پلاننگ کی ضرورت پر لیکچر دینے کے لئے بھیجتے رہنا چاہئے۔

۸۔ حکومت اس سلسلے میں عوام سے رابطہ قائم رکھے اور لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی جاوے کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم کو ضرور اپنائیں اس کام کے لئے تعلیم یافتہ۔ خوبصورت۔ مہذب، اور ماڈرن لڑکیاں گاؤں گاؤں بھیجی جائیں۔

۹۔ اسقاط حمل (Induced Abortion) کو جائز قرار دیا جائے۔

۱۰۔ ملک کے ہر چھوٹے چھوٹے سے گاؤں میں فیملی پلاننگ سینٹر کھولے جائیں۔

فیملی پلاننگ منسٹر صاحب نے ردی کی پیش کردہ تجاویز خندہ پیشانی سے قبول کریں اور ان کو پڑھ کر گویا ہوئے کہ وہ حکومت

سے سفارش کریں گے کہ جہاں تک بھی ہو سکے ان تجاویز پر عمل کیا جائے۔

فیملی پلاننگ منسٹر صاحب کی گاؤں میں آمد کے بعد سے خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام پر ایک نئے جوش و خروش سے کام کیا جانے لگا۔ تمام موضع میں ایک نئی لہر دوڑ گئی اور لوگ اس بات کو بخوبی سمجھنے لگ گئے کہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت فیملی پلاننگ ہے۔

اور اس موضع کی دیکھا دیکھی گرد و نواح کے دیہات بھی اس کے نقش قدم پر چلنے لگے اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ رفتہ رفتہ یہ لہر آگ کی طرح تمام ملک کے دیہاتوں اور شہروں میں پھیل جائے گی۔ اور اپنے گھر۔ قوم۔ سماج اور ملک کی بہبودی کے لئے لوگ ضرور اس سکیم کو اپنائیں گے۔"



تیسواں باب

رینا اور شمشا پاس کے دیہات کا دورہ کر کے واپس لوٹ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کی خوشی اور بات بات پر قہقہے بکھیرنا اس امر کے ضامن اور شاہد تھے کہ ان کا دورہ خاطر خواہ کامیاب رہا ہے۔ رینا کار ڈرائیو کر رہی تھی اور شمشا اس کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر سیئرنگ کے پاس بیٹھی تھی۔ شمشا کو کچھ گرمی سی محسوس ہوئی اور اس نے اپنے پاس والے شیشے کو نیچے گرا دیا۔ سورج اپنا وجود قائم رکھنے کے لئے آخری جد و جہد کر رہا تھا۔ مگر شام کے سائے اس پر غالب آ کر بتدریج گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ شیشہ گرانے پر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے رینا اور شمشا کی روح کو تر و تازگی اور بشاشت بخشنے لگے تھے۔

ابھی وہ اپنے موضع سے چند میل کے فاصلے پر تھیں اور درختوں کے ایک جھنڈ میں سے ہو کر گذر رہی تھیں۔ راستہ ناہموار اور ٹیڑھا میڑھا ہونے کی وجہ سے کار کی رفتار بہت ہی آہستہ تھی۔ رینا ششما سے کہنے لگی۔

اب تو ہماری دیہاتی بہنیں بھی پریوار نیوجن کی اہمیت کو سمجھنے لگ گئی ہیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کو اپنانے لگ گئی ہیں۔

ششما نے جواباً کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ یکایک ایک بڑا سا پتھر لڑھک کر کار کے سامنے آ گیا۔ اور رینا کے لئے کار کو روک دینے کے سوائے اور کوئی چارہ نہ رہ گیا۔

اب کار کو چار آدمیوں نے جنھوں نے اپنے منہ ڈھانپے ہوئے تھے اور آنکھوں پر سیاہ چشمے لگائے ہوئے تھے گھیر لیا۔

رینا اور ششما کی یکبارگی چیخیں نکل گئیں مگر وہاں اس ویران و بیابان جنگل میں کون تھا جو ان کی مدد کو آتا۔ ان کی چیخیں درختوں اور خود رو جھاڑیوں کے جھنڈ میں سے ہوتی ہوئیں فضا میں تحلیل ہو گئیں۔

بعد ازاں ان کو رومال میں بسی ہوئی ایک دوائی سنگھا کر بے ہوش کر دیا گیا۔ اور ایک پاس کھڑی جیپ میں ان کو لٹا دیا گیا۔

ان چار آدمیوں میں سے صرف ایک آدمی جیپ کو تیز رفتاری

سے ڈرائیو کرکے آن کی آن میں آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور باقی تین آدمی بھی کار کو وہیں چھوڑ کر جلد ہی وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئے۔

رات کے کھانے پر روی اور امیش نے رینا اور ششما کا کافی انتظار کیا اور ان کے نہ لوٹنے پر متوشش اور متفکر سے نظر آنے لگے اور جب رات کے دس بجے تک بھی وہ نہ لوٹیں تو روی اور امیش سنجیدگی سے ان کے واپس نہ آنے کی بابت سوچنے لگے۔

آج تک ایسا ہی ہوتا آیا تھا کہ رینا اور ششما جب بھی کبھی فیلڈ ڈیوٹی پر جاتی تھیں تو رات کے کھانے سے پہلے ضرور لوٹ آتی تھیں اور پھر یہ چاروں رات کے کھانے پر دن بھر کی کارگزاریوں پر تبصرہ کیا کرتے تھے۔

"نجانے کہاں رہ گئیں وہ دونوں آج؟" روی نے امیش سے کہا۔

"کہیں ان کی گاڑی خراب نہ گئی ہو" امیش بولا۔

"ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ آج ان کا کہاں کا پروگرام تھا؟"

"میں تو آج منہ اندھیرے ہی مریض دیکھنے چلا گیا تھا۔ اس لئے کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"ذرا مس تیجہ کو بلواؤ۔ شاید وہ کچھ بتا سکے۔"

امیش نے نوکر سے کہہ کر مس تیجہ کو بلوایا۔ اس کے آتے ہی روی نے اس سے پوچھا۔

"مس تیجہ ۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ رینا اور شتما آج کون سے گاؤں میں گئی تھیں؟ وہ اب تک لوٹ کر نہیں آئیں۔"

"انھوں نے کسی خاص گاؤں کا تو نام نہیں لیا ڈاکٹر صاحب ہاں یہ ضرور کہہ رہی تھیں کہ آس پاس کے دیہات کا دورہ کریں گی۔"

"اچھا اب آپ آرام کریں ۔ گڈ نائٹ۔"

"گڈ نائٹ ڈاکٹر ۔ میری آپ سے اتنی درخواست ضرور ہے کہ رات کو جس وقت بھی میری ضرورت پڑے ۔ مجھے ضرور طلب فرمائیں۔"

"شکریہ مس تیجہ۔"

اور اب روی اور امیش سوچنے لگے کہ رینا اور شتما کا پتہ کس طرح لگایا جائے۔ روی نے موضع کے کچھ معززین کو نگیندر بھون میں بلایا۔ پھر صلاح ہونے پر۔ ۲۰، ۲۵ آدمیوں کو ایک ایک کر کے آس پاس کے دیہاتوں میں بھیج دیا گیا۔ مگر وہ سب کچھ دیر بعد منہ لٹکائے واپس آگئے اور روی اور امیش حد سے زیادہ گھبرا گئے۔ تمام رات وہ سوچ فکر میں مستغرق رہے ۔ صبح ہونے پر چندگی رام نے آکر ان کو تبلایا کہ ان کی کار نہر والی کچی سڑک پر کھڑی ہے ۔ وہ دونوں کچھ گاؤں والوں کے ساتھ لے کر موقعے پر پہنچے اور کار کو خالی کھڑا دیکھ کر ان کو یقین ہو چلا کہ رینا اور شتما ضرور اغوا کرلی گئیں ہیں۔

اب رفتہ رفتہ یہ خبر سارے موضع میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور تمام موضع نگیندر بھون پر آمنڈ آیا۔ تھانے میں رپورٹ تحریر کرا دی گئی۔ پولیس فوراً حرکت میں آگئی۔ سب موضع والوں کو شک ہی نہیں، بلکہ پختہ یقین تھا کہ رینا اور شستما کا اغوا بشمبر کے ایما پر ہوا ہے۔ ان کی آنکھیں شرم کے مارے زمین میں گڑی ہوئی تھیں اور ان میں ندامت کے آنسو رواں دواں تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ بشمبر نے یہ بزدلانہ اور نیچ حرکت کر کے تمام گاؤں کی ناک کاٹ لی ہے۔

سبھی یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی اپنی سگی بہنوں کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ حکومت کی طرف سے خاص احکامات صادر کئے گئے کہ جسطرح بھی ہو مغویہ خواتین کا پتہ ضرور لگایا جائے۔

پولیس نے آس پاس کے دیہاتوں کو روند ڈالا۔ کھردں کوؤں۔ تالابوں اور دیرانوں کی تلاشی لی گئی۔ مگر کچھ پتہ نہیں چلا۔ نامی مجرموں سے کھود کھود کر پوچھ تاچھ کی گئی مگر نتیجہ صفر ہی نکلا۔

بشمبر اور اس کے ساتھیوں کی تلاش کی گئی۔ مگر ان کا کہیں نام و نشان بھی نہ ملا۔ بشمبر کے اڈوں کو مسمار کر دیا گیا مگر سب بے سود ثابت ہوا۔ تقریباً دو ہفتے کی متواتر کوششیں بالکل ناکام ثابت ہوئیں۔ آخر حکومت نے رینا اور شستما کا پتہ لگانے والے کے لیے ۲۰۰۰ روپیہ کا انعام بھی مقرر کر دیا۔ اوررردی نے اپنی طرف سے ۱۰۰۰ روپیہ کا انعام مقرر کیا۔

روی اور ابیش دونوں کے ہی دل ٹوٹ چکے تھے ۔ وہ چھپ
چھپ کر دھاڑیں مار مار کر روتے ۔ دو ہفتے سے انھوں نے غسل تو
کجا شیو بھی نہ کیا تھا اور ان کے جسم پر میلے کچیلے کپڑے نظر آتے تھے ۔
ابھی دو چار روز سے ہی لوگوں کے سمجھانے پر دو چار لقمے زہر
مار کر لیتے ۔ سوچ سوچ کر ان کے دماغ شل ہو گئے تھے ۔ مگر رینا
اور ششما کو ڈھونڈ نکالنے کی تمام تدابیر ناکام ہو چکی تھیں اور
اب کوئی نئی تدبیر ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی ۔

ملک کے بڑے بڑے اخباروں میں اس واقعے کی خبر جلی
حروف میں شائع ہوئی ۔ یہ خصوصاً رقم کیا گیا کہ کسی سب سے
بڑے دیش دروہی اور غدّار قوم نے رینا اور ششما کا اغوا
کر لیا ہے ۔ ان دونوں نے بھارت ماتا کی شہریوں نے پریوار نیوجن
سکیم کو فروغ دینے کے لئے آپنے آپ کو وقف کر دیا تھا ۔

خود بھی نمایاں طور پر اس سکیم پر عمل پیرا تھیں ۔ ان دونوں
کی شادیوں کو تقریباً چار چار سال ہو چکے تھے مگر اب تک ان
کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ۔ چونکہ انھوں نے اور ان کے خاوندوں
نے عہد کر لیا تھا کہ ان کے ہاں پہلا بچہ شادی کے پانچ سال بعد
پیدا ہو گا ۔

اور اس کے بعد ۵ ، ۵ سال کے وقفے سے ایک یا دو بچے
اور پیدا ہوں گے ۔ یہ خود کو دوسروں کے سامنے مثال کے طور
پر پیش کرتی تھیں اور دوسری عورتوں کو ان کی زندگی سے بڑی
پریرنا ملتی تھی ۔ پریوار نیوجن سکیم کے میدان میں ان دونوں

عورتوں نے وہ کام کیا تھا جس کی مثال ملنی محال ہے۔ اس لئے اغوا کرنے والا۔ ملک، قوم اور سماج کا بدترین دشمن ہے۔

ہریش۔ راکیش اور اس کے والد شری دلباغ رائے بھی موضع میں آئے تھے اور سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ نہ کر سکے تھے۔

یہ تینوں حکام سے ضرور ملے تھے مگر وہ بیچارے تو پہلے ہی حد سے زیادہ کوشش کر رہے تھے۔

بوڑھے چودھری رام دیال کو حراست میں لے گیا تھا اور اس کا پولیس ریمانڈ بھی حاصل کر لیا گیا تھا۔

یہ سب اس لئے کیا گیا تھا کہ شاید بشمبر اپنے والد کی گرفتاری کی خبر سن کر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دے۔ اس واقعے کی چھوٹی بڑی خبریں روزمرہ ہی اخباروں میں چھپتی رہتی تھیں چودھری رام دیال بے چارے کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ بشمبر نے کافی عرصے سے اپنے گھر ہی آنا چھوڑ دیا تھا۔ اب اس نے ملک کے بڑے بڑے ڈاکوؤں، بدمعاشوں اور بردہ فروشوں سے رابطہ قائم کر لیا تھا۔ رینا۔ ششما بشمبر اور اس کے ساتھیوں کے فوٹو ملک کے تقریباً ہر پولیس سٹیشن پر بھیج دیئے گئے تھے اور ہر جگہ پولیس کو الرٹ کر دیا گیا تھا۔

اب ردی۔ امیش۔ راکیش اور بہت سے موضع والوں نے بھی مختلف شہروں اور دیہاتوں میں مارا مارا پھرنا شروع کر دیا تھا۔ مگر کسی قسم کا کوئی سراغ ان کو نہ مل رہا تھا۔

یہ بجا تھا کہ رینا اور سشما کا اغوا بشمبر کے ہی ایما پہ ہوا تھا ان دونوں کو کئی جگہ حبس بیجا میں رکھے جانے کے بعد اب مدھیہ پردیش کے ایک گھنیرے جنگل میں واقع ایک اڈے پر منتقل کر دیا گیا تھا۔ یہاں بشمبر کا دوست رام پال رہتا تھا جو راموڈاکو کے نام سے مشہور تھا۔

کتنے ہی قتل، ڈکیتیاں اور اغوا اس کے نام سے منسوب کئے جاتے تھے۔ کتنی ہی کمسن عورتوں کو اس ظالم اور جابر شخص نے بیوہ بنا دیا تھا۔ اور کتنے ہی معصوم بچوں کو یتیم۔ آدمی کی جان لینے کو ایسے ہی سمجھتا تھا جیسے کسی کیڑے مکوڑے کو اس نے مار ڈالا ہو۔

آس پاس کے لوگ اس کا نام سن کر تھر تھر کانپتے تھے۔ پولیس کو چیلنج دے کر ڈاکے ڈالتا تھا اور اپنا کام کر کے پولیس کے سامنے سے ایسے نکل جاتا کہ جیسے کسی خدائی طاقت کی بدولت اس نے پولیس کے عملے کو تھوڑی دیر کے لئے اندھا اور بے دست و پا کر دیا ہو اس کا مسکن ایک ایسی جگہ واقع تھا کہ جہاں انسان تو انسان پرند تک کا بھی گذر نہ تھا۔

اس کا مسکن چاروں طرف سے بڑے بڑے درختوں اور خودرو جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور اس تک پہنچنے کے لئے نہایت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

دو تین بڑی بڑی ندیاں عبور کرنی پڑتی تھیں اور راہ میں بڑی بڑی خاردار جھاڑیوں کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں رام پال ڈاکو کے بڑے بڑے سیلز سٹور تھے۔ اور کلکتہ، بمبئی، مدراس اور دہلی میں اس نے بڑی بڑی کوٹھیاں بھی بنوائیں ہوئی تھیں۔

ڈاکو ہمیشہ بھیس بدل کر ڈالتا تھا اور جب جی میں آتا تو مہینوں اپنے اصلی روپ میں اپنی کسی نہ کسی کوٹھی میں رہتا۔ ہر کوٹھی میں اس کی باقاعدہ منکوحہ ایک ایک بیوی تھی۔ اس کا اصول تھا کہ بغیر شادی کیئے کسی عورت کی عصمت پر ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ اور اگر اسکی دانست میں کسی اور نے ایسا کیا تو اسے کسی بھی حالت میں زندہ نہیں چھوڑے گا۔

رام پال سے بشمبر کی جان پہچان دہلی میں ہوئی تھی۔ رینا اور ششما کو اغوا کر کے بشمبر کے آدمی دہلی لے آئے تھے، اور عارضی طور سے ان کو ایک دو جگہوں پر رکھ کر جامع مسجد کے قریب بشمبر کے ایک دوست رحمت خاں کے مکان پر رکھا گیا تھا۔

رام پال ان دنوں اپنی دہلی والی کوٹھی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ رحمت خاں کے مشورے پر بشمبر رام پال کے ساتھ اس کے مدھیہ پردیش والے اڈے پر چلا گیا تھا اور رینا اور ششما کو بھی وہاں بھیج دیا گیا تھا۔ رحمت خاں کی رام پال بڑی عزت کرتا تھا۔

چونکہ ایک بار اس نے اس کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی اور اگر رحمت ایسا نہ کرتا تو اس دن رام پال کی گرفتاری یقینی تھی۔

بشمبر کو یہاں آئے ابھی پانچ سات روز ہی ہوئے تھے۔ بشمبر اور رام پال نے صلاح کی تھی کہ بشمبر ششما کے ساتھ اور رام پال رینا کے ساتھ باقاعدہ شادی کریں گے۔ بشمبر کو بخوبی معلوم ہو گیا تھا کہ

رام پال کی موجودگی میں وہ رینا یا سشما کے ساتھ زبردستی اپنے ناپاک ارادے پورے نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں اسے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

یہاں آنے سے پیشتر بھی بشمبر رینا اور سشما پہ ہاتھ نہ ڈال سکا تھا۔ چونکہ اب تک کہیں بھی وہ اطمینان سے ٹک کر نہ بیٹھا تھا۔ اب چار پانچ روز سے رام پال اور بشمبر دونوں ہی رینا اور سشما کو سمجھا رہے تھے کہ وہ ان سے شادی کر لیں۔

مگر ان دونوں نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر اپنے سر لہو لہان کر لئے تھے اور غم کی شدت کی تاب نہ لا کر نیم دیوانی ہو گئی تھیں۔ انھوں نے اپنے پہنے ہوئے کپڑے بھی جگہ جگہ سے پھاڑ ڈالے تھے۔ بشمبر نے لاکھ یقین کئے تھے کہ وہ کچھ کھا لیں مگر سوائے تھوڑے بہت پانی کے کھل کا ایک دانہ بھی اڑ کر ان کے منہ میں نہیں گیا تھا۔

رام پال کا یکایک کلکتہ جانا ضروری ہو گیا چونکہ اس کے پاس خبر آئی تھی کہ اس کی کلکتے والی بیوی سخت بیمار ہے۔ جانے سے پہلے اس نے بشمبر کو تاکید کی کہ وہ رینا اور سشما کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زبردستی نہ کرے۔ رفتہ رفتہ وہ خود ہی شادی کے لئے تیار ہو جائیں گی۔ بشمبر دو تین روز تک چپ چاپ سب کچھ برداشت کرتا رہا مگر آج اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ رینا اور سشما کی گدرائی ہوئی جوانیاں اور مہکتا ہوا شباب رہ رہ کر اسے دعوت گناہ دے رہے تھے۔ اب اب وہ رینا اور سشما کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور گرجدار آواز میں کہہ رہا تھا۔

"تم لوگ اگر اس طرح نہ مانو گی تو تمہارے ساتھ زبردستی کی جائے گی۔ وہ تو میرا ایک پاگل دوست سے پالا پڑ گیا ہے ورنہ میں کبھی کا تمہیں نہیں چھوڑتا۔ چلو خیر جو ہوا سو ہوا مگر آج میں اپنی دیرینہ خواہش ضرور پوری کر کے رہوں گا۔ میں تم دونوں کی عصمت کی دھجیاں تک اڑا دوں گا۔

"بشمبر بھائی۔ ذرا بھگوان سے ڈریئے۔ میں تمہارے ہی گاؤں کی تمہاری بہن ہوں۔ میرے متعلق ایسے وچار تمہارے دل میں نہیں آنے چاہئیں۔

"میری بُوا بھی ہمارے ہی گاؤں کی لڑکی تھی اور تمہارے دادا بھی میں آج ضرور اپنی بوا کی بے حرمتی کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ اور ہاں اتنا میں تم لوگوں کو بتا دوں کہ میں یہ سب بھگوان کے ہی ڈر سے کر رہا ہوں تمہارے جیسا پاپی آج تک شاید اس سنسار میں پیدا ہی نہ ہوا ہے تم۔ تمہارا وہ چاہتا امیش۔ روی اور اس کی یہ گرط پاسی دلہن سب مل کر سنسار میں پاپ پھیلا رہے ہو۔ تم لوگ بھگوان سے ٹکرا رہے ہو۔ بچے پیدا ہونا یا نہ ہونا تو بھگوان کے ہاتھ میں ہے اور تم اس کی خدائی سے کھیل رہے ہو۔

تمہیں کیا حق ہے کہ قدرت کے کام میں دخل دو۔ اور بچوں کی پیدائش کی روک تھام محض خود ہی نہ کرو۔ بلکہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرو۔ تم دونوں کی شادیوں کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے مگر اب تک تم نے بچہ پیدا نہیں ہونے دیا۔

ایسا کر کے تم نے بھگوان کا مذاق اڑایا ہے۔ اب تم دیکھو گی کہ

تم دونوں کو ہر سال ایک بچہ پیدا ہوا کرے گا۔ بھگوان بھی میری اس کام میں مدد کریں گے۔ چونکہ بھگوان کو یہی منظور ہے۔ بولو اب تم کیا کہتی ہو؟" بشمبر نے لمبا چوڑا ایک لیکچر جھاڑ دیا۔

"اگر تم بھگوان کو ایسا ہی ماننے والے ہوتے تو دو بے بس اور مجبور عورتوں کو اس طرح قید نہ کر چھوڑتے۔ بھگوان عقل سے کام لینے والوں سے کبھی ناراض نہیں ہوتے۔ عقل ایشور کا ہی عطیہ ہے اور عقل ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم اپنی اور اپنے ملک کی خوشحالی کے لئے کم سے کم بچے پیدا کریں۔ کیا یہ پاپ نہیں ہے کہ ہم بچے تو پیدا کریں مگر ان کے لئے پیٹ بھر خوراک بھی مہیا نہ کر سکیں۔ ان کی مناسب تعلیم و تربیت کا انتظام نہ کر سکیں۔ ہمارے بچے گلیوں اور کوچوں میں بھیک مانگتے نظر آئیں۔ خیر تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گے۔ بھگوان اب بھی ہماری ضرور مدد کریں گے۔ چونکہ ہم پریوار نیوجن کا پرچار کر کے بھگوان کا ہی مشن پورا کر رہے ہیں۔" اس بار رینا نے جواباً کہا۔

"چپ رہ حرامزادی۔ چلی ہے لیکچر جھاڑنے۔ اب ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو گدی پیچھے سے زبان نکال لوں گا اور ذرا سی بھی چوں چرا کی تو شوٹ کر دوں گا۔" بشمبر غصے سے بے قابو ہو گیا اور لال پیلی آنکھوں سے ان دونوں کی طرف گھورنے لگا۔

پھر ششما کو اس نے حکم دیا کہ فوراً اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے اور ساتھی کے فرائض انجام دے۔ مگر ششما نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ اس پر بشمبر آگے بڑھا اور ششما کو بازو سے پکڑ کر اٹھانے کی سعی کرنے لگا۔ عقب سے ایک زوردار آواز فضا میں گونج اٹھی۔

"وہیں اپنی جگہ رک جاؤ بشمبر۔ ہینڈز اپ کر لو اور پستول فوراً سے پلیشتر پھینک دو ورنہ شوٹ کر دیئے جاؤ گے۔"

اور بشمبر کے لئے پستول پھینکنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ تنبیہ کرنے والے نے بشمبر کا پستول اٹھا کر اپنے ساتھی کو دے دیا اور اب بشمبر کو منہ پھیرنے کو کہا۔ پلٹ کر دیکھنے پر بشمبر کے منہ سے یکبارگی مری سی آواز میں نکلا "رام پال تم۔ تم تو کلکتہ چلے گئے تھے۔"

"ہاں میں۔ تم کیا سمجھتے تھے کہ میرے پیچھے سے من مانی کر لوگے۔ میرے حکم کی یوں توہین کر دوگے۔ بشمبر اگر آج میں یہاں نہیں بھی ہوتا تو بھی تم اپنی من مانی نہ کر سکتے تھے۔ میرے دو جاں نثار ساتھی میری ہدایت کے مطابق تمہاری ہر حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ وہ تمہیں تمہارے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہونے سے پہلے ہی ختم کر دیتے۔ بشمبر تم نے میرے ساتھ غداری کی ہے۔ اور غداری کی سزا میرے ہاں موت ہے صرف موت۔ مجھے تمہارے اوپر کوئی اعتبار نہ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم مجھے گرفتار کروانے کے لئے پولیس میں بھی اطلاع کر دو۔ اس لئے مرنے کے لئے فوراً تیار ہو جاؤ۔" رامپال شاید کچھ اور بھی کہتا مگر بشمبر نے کمال پھرتی سے ایک بھرپور ہاتھ رامپال کے اس ہاتھ پر مارا جس میں وہ پستول پکڑے ہوئے تھا۔ پستول دور جا کر گری اور اب رامپال اور بشمبر گتھم گتھا ہو گئے۔ لاتوں۔ مکوں اور تھپڑوں کی بارش شروع ہو گئی۔ رامپال کے ساتھی بیچ میں کودنا چاہتے تھے مگر اس نے اشارے سے ان کو منع کر دیا اور لڑائی جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا کہ اس حرامزادے

سے تو وہ خود ہی نپٹ لے گا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو مشہور زماں پہلوان فری سٹائل کشتی لڑ رہے ہیں۔ رینا اور شیشما خوفزدہ سی ایک طرف کھڑی ہوئی تھیں۔ آخر بشمبر نے ایک زور دار لات راماپال کے پیٹ پر ماری جس سے اس کی کراہ نکل گئی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اب بشمبر اس کے اوپر سوار ہو گیا۔ اور اس کی گردن کو اپنی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں لے لیا۔ راماپال گردن چھڑانے کے لئے پوری جد وجہد کر رہا تھا۔ اور آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ بشمبر کی گردن تک لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر راماپال اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا اور اس نے بشمبر کی گردن کو اپنے دونوں ہاتھوں کے نیچے دبوچ لیا۔ اب بشمبر کی ٹانگوں کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی اور آخر اپنی گردن کو بچانے کے لئے اسے راماپال کی گردن کو آزاد کرنا ہی پڑا۔ اور پھر کوشش کر کے اس نے اپنی گردن کو بھی چھڑا لیا۔ اب دونوں پھر سے کھڑے ہو گئے تھے اور گھونسے بازی پھر سے شروع ہو گئی تھی۔ دونوں ہی طیش سے بھرے ہوئے تھے اور اپنی پوری قوت سے ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے۔

آخر راماپال نے ایک غضب کا وار کیا اور ایک زوردار گھونسہ بشمبر کے پیٹ پر رسید کیا جس سے بشمبر بے قابو ہو گیا۔ اس موقع کا راماپال نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور پے در پے ۲۰، ۲۵ گھونسے بشمبر کے پیٹ میں تان تان کر مارے۔ اب بشمبر بالکل ہی بے دم سا ہو چکا تھا۔ اور زمین پر چت لیٹا ہوا تھا۔ راماپال اس پر سوار تھا بشمبر اب گڑگڑانے لگا تھا اور راماپال سے معافی کا خواستگار تھا۔ مگر راماپال اس کو متواتر گالیاں بکتا جا رہا تھا اور مار مار کر اس کو

ادھر ادھر تراکر دیا تھا۔ اب راماپال نے بشمبر کو چھوڑ دیا تھا اور ایک طرف ہٹ کر تماشہ دیکھ رہا تھا۔ بشمبر نے نیچے پڑے پڑے ایک اور چال چلنے کی کوشش کی۔ اتفاق سے پاس ہی پڑی ہوئی ایک دیا سلائی اس کے ہاتھ لگ گئی۔ اس نے ایک تیلی باہر نکالی اور جلا کر پاس ہی پڑے ہوئے رینا اور ششما کے بستروں کی طرف پھینکدی۔ جلتی ہوئی تیلی ایک پرانی اور بوسیدہ رضائی پر گری جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ روئی نے فوراً آگ پکڑ لی اور آن کی آن میں بستروں سے شعلے بلند ہونے لگے۔ اب تمام کمرہ آگ کی گرفت میں آگیا تھا۔ برابر والے کمرہ میں کچھ مٹی کے تیل کے کنستر تھے۔ اب آگ اس کمرے تک پہنچ چکی تھی۔ رینا اور ششما کو راماپال کے آدمیوں نے ترنت جست بھر کر کمرے سے باہر نکال لیا۔ اور راماپال خود بھی کمرے سے باہر ہو گیا۔ بشمبر کو جلنے اور کیفر کردار کو پہنچنے کیلئے وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب راماپال اور اسکے ساتھی نقدی زیور اور دیگر سامان اور اشیائے خورنی اور نوشیدنی کو محفوظ کرنے میں جٹے ہوئے تھے اور اپنی کوشش میں خاطر خواہ طور سے کامیاب رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے راماپال اور اسکے ساتھی رینا اور ششما کو لیکر راماپال کے ایک دوسرے اڈے پر جو پہلے اڈے سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر تھا پہنچ گئے۔ اس جنگل میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر راماپال کے کئی مسکن تھے۔ ایسا اس نے کسی مصلحت کی بنا پر ہی کیا ہوا تھا۔ آخر اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں بشمبر زندہ جل کر مر گیا۔ بھگوان کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ جو جیسا بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔

رینا اور ششما حد سے زیادہ خوفزدہ ہو گئیں تھیں اور اس ہولناک منظر کی تاب نہ لاکر بیہوش ہو گئی تھیں۔ بیہوشی کی حالت میں ہی انکو دوسری جگہ منتقل کیا گیا تھا۔ اب ان کو صاف ستھرے بستروں پر لٹا دیا گیا تھا۔ اور ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے گئے تھے ایسا کرنے سے تھوڑی ہی دیر بعد ان کو ہوش آگیا تھا۔ ہوش آنے پر راماپال نے رینا سے کہا۔

"تھوڑا تھوڑا دودھ پی لو بہن۔ میں نے تم لوگوں کیلئے خاص طور سے منگوایا ہے۔ اب تم بالکل نہ گھبراؤ" "کیا کہا؟ بہن! کیا ایک ڈاکو کے منہ سے بھی ایسے الفاظ نکل سکتے ہیں؟" رینا حیران ہو کر بولی۔

"ہاں۔ ڈاکوؤں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اوروں کے ہونے ہوں یا نہ ہوتے ہوں۔ میرا تو اصول ہے کہ جب تک کسی عورت سے شادی نہ کر لی جائے وہ میری ماں بہن اور لڑکی جیسی ہے۔ اب تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ شادی بھی میں زبردستی نہیں کیا کرتا۔ میں تمہیں صبح پو پھٹنے سے پہلے کسی نزدیک کی پولیس چوکی میں بھجوانے کا انتظام کر دوں گا۔ تم کھانا کھاؤ اور آرام سے سو جاؤ۔"

پتہ نہیں راماپال کی باتوں میں کیسا جادو تھا۔ رینا اور رشما دونوں ہی اس پر یقین لے آئیں۔ ان دونوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور گرم گرم دودھ نوش کیا۔ اس کے بعد نیند کی دیوی ان سے ہم آغوش ہو گئی۔

باتوں باتوں میں راماپال کو معلوم ہو گیا تھا کہ رینا اور رشما اور ان کے خاوندوں نے پریوار نیوجن سکیم کو ترقی دینے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے۔ روانہ کرنے سے پہلے اس نے زبردستی ان کو ... ۵۰۰ روپیہ نقد دیا۔ رینا اور رشما نے بہتیرا انکار کیا مگر ایک بھائی کے اصرار کے آگے بہنوں کی کچھ نہ چل سکی۔ راماپال کا ایک ساتھی کچھ دور تو ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ان کو پیدل لے گیا۔ پھر ایک سڑک آنے پر ان کو ایک جیپ تیار ملی۔ جیپ میں بٹھا کر رینا اور رشما کو ایک پولیس چوکی کے نزدیک چھوڑ دیا گیا جہاں سے خود ہی وہ پولیس چوکی پہنچ گئیں۔ پھر وہاں سے ان کو موضع میں لایا گیا۔

......................*

تیسواں باب

رینا اور شسما کے موضع میں لوٹ آنے سے ہر سو خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔
تمام گاؤں میں چراغاں کیا گیا اور نگیندر بھون کی شان تو آج دیکھتے ہی بنتی تھی
اس کی سج دھج نئی نویلی دلہن کی زیبائش اور آرائش کو بھی شرمندہ کر رہی تھی
روی اور امیش کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ دوستوں اور رشتہ داروں
کو تار دیئے گئے تھے۔ رینا اور شسما کی سرگزشت سن کر سب ہی دنگ رہ گئے
تھے۔ سب نے ہی راسپال کو غائبانہ تحسین و آفریں کی۔ روی اور امیش نے
آج ایک عظیم الشان دعوت کا انتظام کیا تھا۔ اور قریب قریب تمام موضع والوں
کو بلایا تھا۔

بھاری تعداد میں لوگ نگیندر بھون پہنچ گئے تھے۔ گاؤں کے کچھ منچلے
بھنگڑہ ناچ رہے تھے اور مچل مچل کر اور کود کود کر خوشی کے گیت گا رہے تھے
گاؤں کے نوجوان روی اور امیش سے بغل گیر ہو رہے تھے اور گاؤں کی عورتیں
رینا اور شسما سے ہم آغوش ہو رہی تھیں۔ بزرگ اپنا شفقت بھرا ہاتھ
روی اور امیش کے سروں پر رکھ رہے تھے۔

اتنے میں ایک بوڑھا زمیندار آہستہ روی سے دور سے آتا ہوا

دکھائی دیا۔ بہت سے نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ نزدیک آنے پر سب کو
ہی پتہ چل گیا کہ آنے والا چودھری رام دیال ہی تھا۔ چودھری صاحب آتے
ہی ردی سے بغل گیر ہو گئے اور اس بات نے سب کو ہی حیرانی میں ڈال دیا۔
سب سے انوکھی اور حیران کن بات تو یہ تھی کہ اپنے ان کے لڑکے بشمبر کی دردناک
موت کے باوجود بھی چودھری صاحب آج ردی کی خوشی میں شریک تھے۔
صرف اتنا ہی نہیں۔ ضیافت کے۔۔ چودھری رام دیال نے اعلان کیا کہ آج سے
انھوں نے ردی کو گود لے لیا ہے اور ان کی موت کے بعد ردی کو اختیار
ہوگا کہ ان کی زمین جائداد کو جس طرح بھی چاہے مصرف میں لائے۔ اور
ہریوا رنیو جن سکیم کو ترقی دے۔

ردی نے چودھری رام دیال کے چرن چھوئے اور ان سے وعدہ لے
لیا کہ وہ آئندہ نگیندر بھون میں ہی رہا کریں گے۔

اور اب اگلے دن سے ہی ردی۔ ایش۔ ربینا بشنا اور ان کے
ساتھی پھر سے اپنا ادھورا مشن پورا کرنے میں جٹ گئے۔ اور یہ نگیندر
بھون ہی تھا جو ان کی کارگزاریوں کا مرکز بنا رہا۔

ختم شد

کتبہ:۔ ایل۔اے۔ایل۔ایم۔ڈی۔کے۔این